E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

Subject / Course - M.A. Urdu

Paper : 02. Masnavi, Marsiya Aur Nazm

Module Name/Title : Mir Anees : Hayat Aur Marsiya Nigari

DEVELOPMENT TEAM	
CONTENT	DDE, MANUU / Dr. Talat Jahan
PRESENTATION	Dr. Talat Jahan
PRODUCER	Md. Mujahid Ali

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India
//imcmanuu

اکائی : 10 انیس : حیات، مرثیہ نگاری میں ان کا مقام، شامل نصاب مرثیے کا تجزیہ

ساخت

10.1 تمہید

10.2 عہد

10.3 حیات

10.3.1 انیس کی مرثیہ خوانی

10.3.2 وفات

10.4 انیس کی مرثیہ نگاری کی خصوصیات

10.4.1 سراپا نگاری

10.4.2 کردار نگاری

10.4.3 جذبات نگاری

10.4.4 منظر نگاری

10.4.5 واقعہ نگاری

10.4.6 مکالمہ نگاری

10.4.7 رزم نگاری

10.5 اُسلوبی خصوصیات

10.5.1 فصاحت و بلاغت

10.5.2 ایہام

10.5.3 مبالغہ

10.5.4 تعلّی

10.5.5 تضاد

10.5.6 تنسیق الصفات

10.5.7 تجنیسِ ناقص وزائد

10.5.8 حسنِ تعلیل

10.5.9 صنعتِ عکس وتبدیل

10.5.10 سیاقۃ الاعداد

10.5.11 تکرار

10.5.12 تشبیہ

10.5.13 استعارہ

10.6 مرثیۂ انیس
10.7 مرثیے کا تجزیہ
10.8 ایک بند کی تشریح
10.9 خلاصہ
10.10 نمونہ امتحانی سوالات
10.11 فرہنگ
10.12 سفارش کردہ کتابیں

10.1 تمہید

اردو مرثیہ اپنی عظمت انسانی ' اعلیٰ اخلاقی اقدار اور اس قربانی کی بدولت پہچانا جاتا ہے جس کی نظیر انسانی تاریخ ' آج تک نہیں پیش کرسکی۔ ابتدا میں یہ واقعہ صرف تاریخ کا ایک سانحہ تھا لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا لوگوں کو اس واقعے کی عظمت اور اہمیت کا احساس ہونے لگا۔ خصوصاً اس لیے کہ یہ قربانی انسانیت کی فلاح اور اسلام کی بقا کے لیے دی گئی تھی۔ 'بنی امیہ' کے دورِ حکومت میں اس واقعے کو دبا دیا گیا تھا لیکن ایران میں ہر سال اس واقعے کی بازگشت سنائی دیتی رہی۔ دھیرے دھیرے اس واقعے کو تشہیر ملی اور مشرقِ وسطیٰ کے ممالک میں پھیلنے لگا۔ واقعہ کی ہمہ گیری اور آفاقیت نے اسے ملک کی سرحدوں سے نکال کر پوری دنیا کے انسانوں میں امن کے پیغام کی حیثیت سے پہنچایا۔ تاکہ لوگ ظلم اور استبداد کے خلاف متحد ہوکر مقابلہ کریں اور سماجی برابری اور انسانی مساوات کو دنیا میں عام کریں۔

مرثیے کی ابتدا ذاتی 'شخصی اور تاثراتی نظموں سے ہوئی' جس میں مرنے والے کے اوصاف بیان کیے جاتے تھے۔ لیکن آج مرثیے سے مراد وہ خاص واقعہ ہے جو ڈیڑھ ہزار سال پہلے عرب میں پیش آیا۔ عرب سے یہ شاعری ایران پہنچی تو صفوی بادشاہوں کے زمانے میں مرثیہ گوئی کا آغاز ہوا۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ مرثیے کا فن سب سے زیادہ اردو میں پھولا پھلا اور عزاداری کے رواج نے اس واقعہ کو تمام دنیا میں پھیلایا۔ تقریباً 100 سال سے کچھ زیادہ کا عرصہ' مرثیے کا زرین دور ہے۔ لیکن انیس اور دبیر جیسا مرثیہ گو نہ تو ان سے قبل پیدا ہوا تھا اور نہ ان کے بعد کوئی مثال دی جاسکتی ہے۔ یہ انہیں کی محنت اور ریاضت کا نتیجہ ہے کہ مرثیے آج بھی مقبول ہیں۔

10.2 عہد

میر انیس کا دور 1803ء سے 1872ء تک محیط ہے۔ 18ویں صدی عیسوی کی ابتدا میں برہان الملک سعادت خان اودھ کے صوبے دار مقرر ہوئے اور یہاں انہوں نے ہند ایرانی تہذیب کے وہ نمونے پیش کیے جن کی بنا پر لکھنؤ کی رواداری آج بھی ضرب المثل ہے۔ محرم کے ساتھ ساتھ ہولی' بسنت اور دیوالی بھی منائی جاتی تھی۔ وہ ائمہ اور معصومین سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ اسی دور سے لکھنؤ میں امام باڑے بننا شروع ہوگئے تھے جہاں لوگ اجتماعی طور پر مراسمِ عزا بجالاتے تھے۔ کسی کام کی بنا پڑ جائے تو اسے ترقی دینے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔ سعادت علی خاں کے بعد کے فرمانرواؤں نے اسے خوب ترقی دی۔ چونکہ نوابین اودھ شیعہ تھے اس لیے انہوں نے عزاداری کو بہت فروغ دیا۔ آصف الدولہ کے امام باڑے کو ساری دنیا میں فنِ تعمیر کی بے نظیر عمارت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ لکھنؤ کے فرمانرواؤں نے عزاداری میں کئی طرح کی جدتیں پیدا کیں' جن کا تعلق ہندستانی تہذیب سے زیادہ ہے۔ امام باڑوں کی تعمیر' ان کی آرائش وزیبائش ' نشان' تابوت' ضریح' تعزیے اور ان کے متعلقات پر خوب توجہ ہوئی۔

سلیقہ اور نفاست تو لکھنؤ والوں کے مزاج میں تھی ہی' اسی احساسِ حسن نے لکھنؤ میں اصلاحِ زبان کی پوری تحریک چلا دی۔ یہ آتش اور ناسخ کے دور کا لکھنؤ تھا۔ زبان کے ایک ایک نکتے پر بحث مباحثے ہوتے تھے۔ رات رات بھر داستانیں پڑھی جاتی تھیں۔ کئی کئی دن مثنوی خوانی کا دور چلتا اور مرثیے تو یہاں کی تہذیب میں رچ بس گئے تھے۔ ادب اور فنون لطیفہ کے میدان سب کے لیے کھلے تھے۔ اس دور میں

لکھنؤ کے ادب وفنون نے جو ترقی کی ۔وہ نہ اس سے پہلے کبھی کی تھی اور نہ بعد میں ہوسکی ۔ اصلاح زبان کی تحریک نے ادب کی تمام اصناف میں بہترین نمونے پیدا کیے ۔ داستانوں میں طلسم ہوش ربا اور فسانہ عجائب کے مقام و مرتبے سے روپوشی نہیں کی جاسکتی ۔ اردو کی تین بہترین مثنویاں سحرالبیان، گلزارنسیم اور زہرعشق تقریباً ساٹھ برس کے عرصے میں اسی سرزمین پر لکھی گئیں ۔ آتش اور ناسخ نے اردو شاعری کو حسن زبان اور حسن خیال دونوں سے نوازا ۔لیکن مرثیہ ان سب پر بازی مار لے گیا کیوں کہ اس کے ساتھ مذہبی عقائد اور ایک حقیقی واقعہ وابستہ تھا ۔

مرثیے کی مقبولیت کا ایک اور سبب یہ تھا کہ اودھ کی حکومت دھیرے دھیرے انگریزوں کے ہاتھ میں جارہی تھی ۔ وہ آصف الدولہ کے دور سے ہی بہانے بنا کر دولت پر قبضہ جمارہے تھے ۔ انگریزوں کا دباؤ، مرکزی حکومت کی بیخ کنی، چھوٹی ریاستوں کا خاتمہ، جنگ آزادی کی جدوجہد، ایسے حالات تھے جن سے فرار کے دو ہی راستے تھے ۔ یا تو حالات زمانہ کو بھول کر بادہ و ساغر اور تفنن کے راستے تلاش کیے جائیں یا پھر وقت اور حالات سے لڑنے کے لیے روحانیت اور مذہب کے دامن میں پناہ لی جائے ۔مرثیوں کے ہیرو جو خود انہیں حالات سے نبردآزما تھے، ایسے حالات میں مثالی پیکر بن کر انہیں تقویت دیتے تھے اور یہ مرثیوں کی مقبولیت کا ایک بڑا سبب تھا ۔

اپنی معلومات کی جانچ

1. میر انیس کے عہد میں عزاداری کو فروغ ملنے کے کیا سباب تھے؟
2. میر انیس کے عہد میں کون کونسی مثنویاں لکھی گئیں؟

10.3 حیات

انیس کا تعلق ایک نہایت نستعلیق، مہذب اور تعلیم یافتہ گھرانے سے تھا ۔ ان کے پڑدادا میر ضاحک دلی سے تعلق رکھتے تھے اور اچھے شاعر تھے ۔انہوں نے شاعری کی جملہ اصناف میں طبع آزمائی کی ۔ ان کی بیٹے میر حسن اپنی معرکۃ الآرا مثنوی سحرالبیان کے سبب مشہور ہوئے ۔ ان کے بیٹے میر خلیق نے مرثیہ گوئی میں خصوصاً، بڑا نام پیدا کیا ۔خلیق نے فیض آباد میں سکونت اختیار کی اور یہیں 1803ء میں وہ بچہ پیدا ہوا جس کا مرثیہ گوئی میں آج تک جواب نہ مل سکا ۔ میر خلیق کے دو بیٹے اور تھے ۔ میر مہر علی اُنس اور میر نواب مونس ۔ یہ بھی شاعر تھے لیکن میر انیس کے مقام و مرتبے تک کوئی نہیں پہنچ سکا ۔ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ماں کی آغوش میں ہوئی جو خود ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں ۔ سترہ سال کی عمر میں وہ خلیق کے ساتھ لکھنؤ آ گئے اور تعلیم کے اعلا مدارج طے کیے ۔ فارسی اور عربی بہت اچھی جانتے تھے ۔قرآن و حدیث، منطق و فلسفہ، فنونِ سپہ گری وغیرہ پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے جس کا اظہار ان کے مرثیوں میں جابجا ہوتا ہے ۔اس کے علاوہ علم نجوم، طب، رمل، تاریخ اسلام اور جغرافیہ وغیرہ کا خاصہ علم تھا ۔ زبان و بیان کے ساتھ ساتھ ان علوم نے بھی ان کے مرثیوں کو اعلیٰ تخلیقی ادب کا درجہ دیا ۔ ظاہر ہے کہ ایسی باکمال شخصیت اعلیٰ اخلاقی قدروں کی مالک تھی ۔ انیس حسن سیرت اور حسن صورت کا مجموعہ تھے ۔

تعلیم و تربیت نے انہیں سخت کوش، مہذب اور وقت کا پابند بنادیا تھا ۔ مزاجاً وہ نہایت متین، سنجیدہ، خوددار اور مہذب انسان تھے ۔ شخصیت کی ان خوبیوں کا اثر ان کے کردار پر بھی پڑا ۔ وہ نہایت پاکیزہ خیال، متقی، پرہیزگار اور وضعدار انسان تھے ۔

وہ اپنے اصول اور وضعداری کے پابند تھے اور حتی الامکان اُسے نباہنے کی کوشش کرتے تھے ۔ لکھنؤ سے باہر جاکر مجلس پڑھنا انہیں قطعی پسند نہ تھا ۔ بہت سے امرا، رؤسا اور جاگیرداروں نے خواہش کی کہ انیس ان کے یہاں مجلس پڑھیں ۔لیکن انہوں نے صاف انکار کردیا ۔ لیکن انتزاع سلطنت کے بعد مجبوری حالات نے انہیں نہ صرف پٹنہ، الٰہ آباد و لکھنؤ کے سفر کرائے بلکہ نواب تہور جنگ کے بے حد اصرار پر حیدرآباد کا سفر بھی کیا ۔لیکن جھک کر اور دب کر کہیں جانا منظور نہ کیا ۔ یہ سفر انہوں نے 1858ء اور 1859ء میں کیے جب وہ پچپن سال کی ادھیڑ عمر کو پہنچ گئے تھے ۔ قناعت اور توکل ان میں حد درجہ تھا ۔ خدا کے سوا انہوں نے کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا ۔

انیس کی مرثیہ گوئی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستانی اور سیکولر عناصر کو اپنے کلام میں جگہ دی اور اس نے عام انسانوں کو مرثیے کی طرف آنے کی دعوت دی ۔ انہوں نے اس لکھنوی تہذیب کو اپنے مرثیوں میں محفوظ کردیا ۔ جس کا چرچا آج بھی لوگ فخریہ انداز میں کرتے ہیں ۔ یہ مرثیے شرافت کے اعلیٰ ترین معیار کا نمونہ ہیں ۔

بھی ہے'اسی لیے انیس کے مرثیوں کو'معجز بیانی' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں ہم ان کے مرثیوں کی چند اہم خصوصیات کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

10.4.1 سراپا نگاری

میر انیس نے اپنے مرثیوں میں سراپا نگاری سے اکثر گریز کیا ہے۔ خصوصاً رسول اکرمؐ اور ائمہ اطہار کے سراپے لکھنے میں احتراماً گریز کیا ہے۔ البتہ امامؑ کے جگر گوشوں اور رفقائے حسینی کے سراپے ضرور لکھے ہیں۔ ان میں بھی علی اکبرؑ حضرت قاسمؑ اور حضرت عباسؑ کے سراپے بڑے جوش وعقیدت سے لکھے ہیں۔ رفقائے حسینی کا مجموعی سراپا دیکھیے:

وہ چاند سے ماتھے' وہ قبائیں' وہ عبائیں　　تسبیحیں تو ہاتھوں میں' زبانوں پہ دعائیں
تن پھول سے' غنچوں کی طرح تنگ قبائیں　　بس جائے وہ سب راہ' یہ جس راہ سے جائیں
نورِ مہ کامل کبھی سینے کو نہ پہنچے
بو ایسی کہ عطر ان کے پسینے کو نہ پہنچے

10.4.2 کردار نگاری

اردو شاعری میں کردار نگاری یا سیرت نگاری گویا تھی ہی نہیں۔ اس کے کچھ نمونے مثنویوں میں مل جاتے ہیں۔ لیکن وہ اکثر غیر فطری یا مافوق الفطرت عناصر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کردار نہ تو تاریخی ہیں اور نہ ان کے ساتھ لوگوں کا جذباتی تعلق ہے۔ یہ کردار ہماری زندگی کے جیتے جاگتے کردار نہیں بلکہ ہماری روزمرّہ زندگی سے خاصے دور ہیں۔

مرثیے کے کردار نہ تو مافوق الفطرت عناصر سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ فرضی کردار ہیں بلکہ واقعہ جس طرح پیش آیا تھا وہ حقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ درد و اثر بھی رکھتا ہے۔ یہی کیفیت ان کے کرداروں کی بھی ہے' جو عمل اور تاثیر میں بے مثل ہیں۔ انہوں نے دو طرح کے کردار تراشے ہیں جو خیر وشر کے مجسمے ہیں۔ یعنی امام حسینؓ کا مختصر گروہ اور یزیدی فوج کا ہزاروں کا لشکر۔ حسینی جماعت کے افراد مثالی پیکر ہونے کے باوجود فوق البشر خصوصیات کے حامل نہیں بلکہ اپنی تخلیقی قوت سے انہوں نے ایسے کردار پیش کیے ہیں جنہیں ہم تمام انسانوں سے قریب تر سمجھ کر قبول کرتے ہیں۔ سب سے مکمل اور مثالی کردار امام حسینؓ کا ہے' جس پر پورے واقعہ کربلا کا دار و مدار ہے۔ یہ کردار انیس نے اپنے تمام مرثیوں میں الگ الگ تحریر کیا ہے۔ لیکن ہر جگہ تاثر ایک سا ہے۔ دوسرے شہدا کے حال کے مرثیوں میں بھی امام حسینؓ کا ذکر لازمی ہے۔ وہ حق پرستی' حق گوئی' کنبہ پروری' اعلیٰ اخلاق' مروت' محبت اور شجاعت کا مثالی پیکر ہیں۔

نمازِ صبح کے بعد وہ بے خوف ہو کر اپنے ساتھیوں کو جنگ کرنے اور جان دینے کی دعوت دیتے ہیں گویا ان کی تخلیق ہی اسی مقصد کے لیے ہوئی تھی:

ہاں غازیو! یہ دن ہے جدال و قتال کا　　یاں خوں بہے گا آج محمدؐ کی آل کا
چہرہ خوشی سے سرخ ہے زہرا کے لال کا　　گزری شب فراق' دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

حضرت عباسؑ' جو قوت بازو تھے' ان کا کردار حضرت علی کے مماثل لکھا ہے جو شجاعت' ہمت اور مردانگی میں بے مثل تھے۔ حسینی فوج کے علم دار کی حیثیت سے تمام مرثیوں میں ان کا ذکر بڑی تفصیل سے آیا ہے۔ یہاں طوالت کے خوف سے صرف دو بند انیس کے کلام سے نقل

کیے جاتے ہیں:

سروِ شرمائے قد' اس طرح کا قامت ایسی　　اسد اللہ کی تصویر تھے صورت ایسی
شیر نعروں سے دہل جاتے تھے صورت ایسی　　جاکے پانی نہ پیا نہر میں ہمت ایسی
جان جب تک تھی اطاعت میں رہے بھائی کی
تھے علم دار مگر بچوں کی سقائی کی

نسوانی کرداروں میں حضرت زینب کا کردار بے مثل ہے۔ رسولؐ کی نواسی' علی کی بیٹی اور امام حسینؑ کی بہن کا کردار پیش کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ یہ وہ بہن تھی جس نے اپنے زورِ خطابت سے واقعہ کربلا کا رخ موڑ دیا اور شہادت حسین کو یزید کی ذلت و رسوائی کا سبب بنادیا۔ امام حسین کے ساتھ ہر ہیرو کی شہادت پر حضرت زینبؑ بین کرتی نظر آتی ہیں اور ہر شہادت پر امام حسینؑ بہن کو ڈھارس بندھاتے نظر آتے ہیں۔ لیکن اسی چاہنے والے بھائی کی لاش پر رونے والی صرف چند عورتیں خیمے میں تھیں۔ حضرت زینب بے قرار ہو کر بھائی کی شہادت کی خبر سن کر کھلے سر' برہنہ پا' میدان جنگ کی طرف بھاگتی ہیں:

پردہ الٹ کے بنت علی نکلی ننگے سر　　لرزاں قدم' خمیدہ کمر' غرقِ خوں' جگر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر　　اے کربلا بتا! تیرا مہمان ہے کدھر
اماں قدم اب اٹھتے نہیں تشنہ کام کے
پہنچا دو لاش پر' مرے بازو کو تھام کے

10.4.3 جذبات نگاری

واقعہ کربلا ایک المیہ ہے اور درد و غم کے بیان میں جذبات جس طرح کھل کر سامنے آتے ہیں ویسا اور کوئی دوسرا موقع انسان کی زندگی میں نہیں آتا۔ ہر موقع پر انسان اپنے جذبات کو چھپا سکتا ہے لیکن رنج و غم اس کی آنکھوں سے عیاں ہو جاتے ہیں۔ امام حسینؑ کی پوری زندگی درد و غم کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ تھی جسے انہوں نے صرف صبر و رضا کے راستے طے کیا۔ ان کے ساتھ بوڑھے' بچے' عورتیں اور جوان بہتر (72) کی تعداد میں موجود تھے۔ ان سب کے جذبات الگ الگ مگر مقصدِ حیات صرف ایک ہے یعنی شہادت۔ اس واقعے میں غم' غصہ' خوشی' محبت' نفرت' تاسف' شرمندگی وغیرہ سیکڑوں طرح کے جذبات ہیں لیکن انیس کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ہر موقع پر جذبات کی عکاسی بڑے سلیقے سے کی ہے اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان جذبات کا اظہار پورا نہیں ہوا' یوں کہا ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔ انسانی فطرت پر ان کی بے مثل گرفت تھی۔ وہ صرف شہیدوں کی لاش پر گریہ کرنے کو جذبات نگاری نہیں سمجھتے بلکہ انسانوں کے ہر عمل میں جذبات کے نمونے دیکھتے اور پیش کرتے ہیں۔ حضرت زینبؑ نہایت جری خاتون ہونے کے باوجود اپنے بھائی کو آفت میں گرفتار نہیں دیکھ سکتیں اور ان کے الفاظ دعا بن کر پھوٹ پڑتے ہیں:۔

سر پر نہ اب علی' نہ رسول فلک وقار　　گھر لٹ گیا' گزر گئیں خاتونِ روزگار
اماں کے بعد روئی حسن کو میں سوگوار　　دنیا میں اب حسین ہے ان سب کی یادگار
تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے
کچھ اس پہ بن گئی' تو یہ مجمع تباہ ہے

مدینے سے رخصت کے وقت حضرت ام البنین (حضرت عباس کی والدہ) اور حضرت فاطمہ صغراؑ امام حسین کے ساتھ کربلا نہ آسکی

تھیں۔ رخصت کے وقت ایسے الم ناک الفاظ منہ سے نکالتی ہیں:

سب بیبیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر ۔۔۔ چھاتی سے لگا کے اسے کہنے لگے شبیر
لو صبر کرو کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر ۔۔۔ منہ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بے کس و دلگیر
نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
'اچھا' تو کہا منہ سے' پہ آنسو نکل آئے

جذبات کے اصلی منظر بین میں دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت قاسم فاطمہ کبریٰ سے شادی کے فوراً بعد میدان جنگ کو سدھارتے ہیں۔ ایک شب کی دلھن شرم کے مارے اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرسکتی۔ انیس نے بڑی خوبصورتی سے اس واقعہ کو پیش کردیا ہے۔ جو بڑا فطری سا لگتا ہے۔

یا رب دلہن بنے مجھے گزری ہے ایک شب ۔۔۔ دولھا جو مرگیا تو مجھے کیا کہیں گے سب
اب تک تو شرم سے نہ ہلائے تھے میں نے لب ۔۔۔ پر کیا کروں کہ اب ہے میری روح پر تعب
شبیر کے آفتاب کا وقت غروب ہے
دولہا سے پہلے مجھ کو اٹھالے تو خوب ہے

10.4.4 منظر نگاری

اردو میں منظر نگاری کے کچھ نمونے مثنویوں تک محدود ہیں۔ اردو میں مرثیہ وہ واحد صنف ہے جس میں منظر نگاری کے اعلیٰ ترین نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ کربلا کے بے آب و گیاہ میدان میں پیڑ' پودے اور جنگل وغیرہ کا ذکر بے معنی ہے لیکن چہرے یا تمہید کے بندوں میں انیس نے خوب خوب کمالات دکھائے ہیں۔ جنگ کے وقت منظر کا بیان تو سورج کی تمازت' ریت کی تپش اور لو' دھوپ کے تھپیڑوں تک محدود ہے' لیکن اس محدود منظر میں بھی انیس نے ایسی ایسی گل کاریاں کی ہیں کہ موسم بہار کے مناظر بھی پھیکے پڑ جائیں۔

وہ لو' وہ آفتاب کی حدت' وہ تاب و تب ۔۔۔ کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب ۔۔۔ خیمے جو تھے حبابوں کے' تپتے تھے سب کے سب
اڑتی تھی خاک' خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی' فرات کا

اسی مرثیے کے چہرے میں نہایت خوبصورت اور ٹھنڈی صبح کا منظر پیش کیا ہے۔

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور ۔۔۔ دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوج طور
پیدا گلوں سے قدرت اللہ کا ظہور ۔۔۔ وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیٔ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار — پھولوں پہ جابجا وہ گہر ہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار — بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے نخلِ گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

....

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں، وہ بیاباں، وہ سحر — دم بدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرش زمرد پہ بچھائے تھے گہر — لوٹی جاتی تھی لہکتے ہوئے سبزے پہ نظر
دشت سے جھوم کے جب باد صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

....

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا

10.4.5 واقعہ نگاری

کسی واقعے کو تسلسل کے ساتھ تحریر کرنا بذات خود ایک فن ہے۔ واقعہ نگاری میں جذبات کی شمولیت ضروری ہے۔ واقعہ صرف ایک منظر نہیں جسے سپاٹ اور سادہ لفظوں میں پیش کردیا جائے بلکہ اس واقعہ کی جزئیات کی تفصیل بیان کرنا ہی واقعہ کو پر اثر بنا دیتا ہے۔ اصل واقعہ میں شاعر اپنے مشاہدے اور تخیل سے ایسی رنگ آمیزی کرتا ہے گویا وہ جائے وقوع پر خود موجود تھا۔ انیس نے جہاں جہاں واقعہ نگاری کی ہے وہاں گویا چلتی پھرتی تصویریں پیش کردی ہیں۔

حضرت عباس کو علم داری سونپنے کا موقع ہے۔ حضرت عون و محمد علم داری کی خواہش رکھتے ہیں لیکن کمسن ہونے کے سبب وہ کھل کر اس خواہش کا اظہار نہیں کرسکتے بلکہ ماں کے سامنے اشاروں میں اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔

گہہ ماں کو دیکھتے تھے کبھی جانب علم — نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثارِ شہہ اُمم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورے بہم — آہستہ پوچھتے کبھی ماں سے وہ ذی حشم
کیا قصد ہے علیِ ولی کے نشان کا؟
اماں! کسے ملے گا علم نانا جان کا

حضرت زینب ان کا اشارہ سمجھ کر گھبرا جاتی ہیں اور بچوں کو تنبیہ کرتی ہیں کہ اپنی عمر اور حوصلے سے زیادہ خواہش رکھنا مناسب نہیں۔ اس موقع کو انیس نے بڑی خوبصورتی سے نظم کیا ہے جو واقعہ نگاری کے ساتھ ساتھ انسانی نفسیات کا بہترین مرقع ہے۔

سن قلیل اور ہوس منصب جلیل — اچھا نکالو قد کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل
ماں صدقے جائے گرچہ یہ ہمت کی ہے دلیل — ہاں اپنے ہم سنوں میں تمہارا نہیں عدیل
لازم ہے سوچے، غور کرے، پیش و پس کرے
جو ہو سکے نہ، کیوں بشر اس کی ہوس کرے!

10.4.6 مکالمہ نگاری

مراثی انیس میں مکالمے کی جیسی مثالیں ملتی ہیں اس کی نظیر اردو نظم و نثر کی پوری تاریخ پیش نہیں کرسکتی ۔ مکالمہ نگاری کے لیے نہ صرف زبان و بیان پر قدرت ضروری ہے بلکہ روزمرہ اور محاورہ' حفظ مراتب' انسانی نفسیات اور فصاحت و سلاست نہایت ضروری ہے۔ زبان' ترسیل کا ایسا ذریعہ ہے جس پر سارا کاروبار دنیا نہرا ہوا ہے۔ مکالمے ذومعنین' گنجلک اور طویل نہ ہونے چاہئیں ۔ انیس نے اپنے کلام میں ان ساری چیزوں کا بڑا اہتمام کیا ہے ۔ ان کے مکالموں کی بے ساختگی اور برجستگی ہر جگہ نمایاں ہے۔ سوچ سمجھ کر بولا گیا مکالمہ زبان کے فطری حسن کو ختم کردیتا ہے۔ مکالمے کردار کے اعمال' افکار اور فطری مزاج کا بھی آئینہ ہوتے ہیں۔ انیس کے لیے یہ کام اور بھی مشکل تھا کیوں کہ ان کے کردار معمولی انسان نہیں تھے ۔ ہنسی مذاق' مضحکہ' ابتذال' سازشیں' نفرت جیسے مذموم جذبات کو بھی مرثیے سے الگ رکھنا تھا۔ اس کے باوجود ان کے تمام مکالمے نہایت معیاری اور اعلیٰ ترین اخلاقی قدروں کے نمونے نظر آتے ہیں۔ ان کے مکالموں میں لکھنؤ کی تہذیب کی اثر اندازی بھی صاف نظر آتی ہے۔ حضرت عباس کو فوج کی علم برداری دی گئی تو ان کی زوجہ' حضرت زینب (حضرت عباس کی بڑی بہن) کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرماتی ہیں ۔

فیض آپ کا ہے اور تصدق امام کا   عزت بڑھی کنیز کی ' رتبہ غلام کا

جواب میں حضرت زینب فرماتی ہیں:

سر کو لگا کے چھاتی سے زینب نے یہ کہا   تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے صدا

مکالموں کی سادگی اور لکھنوی تہذیب نے ان مکالموں کو تاثیر میں حد درجہ بڑھا دیا ہے۔ حضرت زینب فوج کی علم برداری ملنے کے بعد اپنے چھوٹے بھائی حضرت عباسؑ سے فرماتی ہیں :

ہو جائے آج صلح کی صورت' تو کل چلو   ان آفتوں سے بھائی کو لے کر نکل چلو

اسی موقع پر زوجۂ عباس کو دعا دیتے ہوئے فرماتی ہیں ۔

مہندی تمہارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں   لاؤ دلہن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

یہاں بھی زبان کی سادگی کے ساتھ ساتھ لکھنوی تہذیب نمایاں ہے ۔

کہیں کرداروں کی زبان دو طرح کی ہے۔ یعنی ایک وہ جو گھر میں اعزا اور خردوں و بزرگوں کے ساتھ بولتے تھے ۔ دوسری وہ جو لکھنؤ کے شرفا گھر سے باہر بولتے تھے ۔ انیس نے حسینی افواج کے کرداروں میں ان موقعوں کا لحاظ رکھا ہے۔ جہاں کہیں حفظ مراتب کا معاملہ درپیش ہو وہاں تخاطب مرتبے کے لحاظ سے ہے' ورنہ عام طور پر رشتے کے نام سے تخاطب کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ حضرت زینب فرماتی ہیں ۔

قرآں کے بعد ہے بھی تو ہے آپ کا کلام   گر مجھ سے پوچھتے ہیں شبہ آساں مقام

اپنے بچوں کو تنبیہہ کرتی ہیں ۔

زینب نے تب کہا کہ تمہیں اس سے کیا ہے کام!   کیا دخل مجھ کو' مالک و مختار ہیں امام

بچے ماں سے کہتے ہیں

ع   غصے کو آپ تھام لیں اے خواہر امام

....

ع   نرغے میں تین دن سے ہے مشکل کشا کا لال

بولیں بہن کہ آپ بھی بولیں کسی کا نام   ہے کس طرف توجہ سرکار خاص و عام

حضرت عباسؑ فوج کی سپہ سالاری ملنے پر شکریہ ادا کرتے ہیں تو حضرت زینب فرماتی ہیں ۔

ع   عباس! فاطمہ کی کمائی سے ہوشیار

لیکن یہی بہن جب بھائی کو جنگ کے لیے رخصت کرتی ہے تو وہاں صرف ایک بھائی کھڑا ہوتا ہے اور تمام مقام و مرتبے بھول کر وہ ایک جان چھڑکنے والی بہن بن جاتی ہیں ۔ بھائی کی لاش کو دیکھ کر تڑپ اٹھتی ہے :

ع   بھیا! میں اب کہاں سے تمہیں لاؤں کیا کروں

....

ع   بھیا ! بتاؤ ' کیا تہہ خنجر گزر گئی

ے   ڈھانپ کر ہاتھوں سے منہ بنت علی چلائی   ذبح ہوتے ہو مرے سامنے ہے ہے بھائی

یہ صرف دو تین رشتوں کی مثالیں تھیں ورنہ کلام انیس سے ایسی ہزاروں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں ۔ میدان جنگ میں دشمن کے سپاہی امام حسینؑ پر طنز کرتے ہیں ع

مرنے والے نہیں جیتے جو سنانیں کھائیں

10.4.7 رزم نگاری

رزمیہ لکھنے میں انیس کو بے پناہ مہارت حاصل تھی ۔ اردو شاعری پر ایک بہت بڑا اعتراض تھا کہ عشق و محبت' ہجر و وصال' شمع و پروانہ' گل و بلبل کے تذکروں کے سوا کچھ نہیں ۔ اردو شاعری کا مرد' محبوب کی جدائی میں صرف روتا رہتا ہے جو انسانی فطرت کے خلاف تھا۔ حوصلہ' ہمت' بہادری' شجاعت' استقلال' جوانمردی جیسے جذبات اردو شاعری سے تقریباً مفقود تھے ۔قصیدے میں کہیں کہیں ممدوح کی تعریف میں اختصار کے ساتھ جنگ' گھوڑے اور تلوار کا ذکر ملتا ہے لیکن نہایت مبالغے کے ساتھ ۔ مرثیے پر یہ الزام غلط ہے کہ وہ صرف بین و بکا کے لیے لکھے جاتے تھے ۔ یہ حقیقت ہے کہ مرثیہ نگاری کا مقصد مرنے والے کی تعریف اور شہادت پر رونا تھا' لیکن جب مرثیہ ایک صنف کی حیثیت سے لکھا جانے لگا تو اس میں دوسرے بہت سے اجزا کی شمولیت نے اسے باوقار بنایا۔ طول وطویل مرثیوں میں اگر چند بند شہادت اور بین کے تصنیف کیے جائیں تو یہ الزام غلط ثابت ہوتا ہے ۔ مرثیہ ہی وہ صنف ہے جس میں سب سے پہلے جنگ کا ذکر ہمت و شجاعت اور جوانمردی کے کارنامے ملتے ہیں ۔

انیس کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے گھر کا ایک وسیع کمرہ رزم نگاری کے لیے استعمال ہوتا تھا ۔ یہاں دیواروں پر مختلف قسم کے ہتھیار لگے رہتے تھے ۔ جن کے استعمال اور حملہ و دفاع کی باریکیوں سے انیس واقف تھے ۔ اور جس وقت وہ رزمیہ اشعار لکھتے تھے ان پر ایک کیفیت طاری ہوتی تھی اور وہ خود کو کمرے میں بند کر لیتے تھے ۔ اس وقت کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ دروازے پر دستک دے یا ان سے بات کرے ۔ انہوں نے اردو شاعری کو رزمیہ عناصر سے مالا مال کردیا۔ کوئی مرثیہ اٹھا کر دیکھ لیجیے' اس میں سب سے تفصیلی بیان رزم کا ہے۔ وہ خود دعویٰ کرتے ہیں۔

رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

ظاہر ہے مرثیہ نگاری سے ان کا مقصد صرف رونا رلانا نہیں تھا بلکہ حق کی طرف لوگوں کو دعوت دینا تھا کہ امام حسین نے جس صبر و استقامت کے ساتھ ظلم' شر اور بدی کا مقابلہ کیا اس سے لڑنے کے لیے انسانوں میں جہاد کا جذبہ پیدا کیا جائے ۔ اور وہ اس مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ۔ جنگ کی ایسی باریکیوں کا ذکر دبیر کے سوا کسی دوسرے مرثیہ نگار کے یہاں نہیں ملتا ۔ لیکن انیس اس معاملے میں بے نیاز ہیں فرماتے ہیں :

طاقت اگر دکھا دوں رسالت مآبؐ کی   رکھ دوں زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

حضرت عون و محمد جو آٹھ نو برس کے بچے تھے ان کی جنگ کا بیان دیکھیے۔

وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ وہ گوری کلائیاں　　　آفت کی پھرتیاں تھیں غضب کی صفائیاں
ڈر ڈر کے کاٹتے تھے کماں کش کنائیاں　　　فوجوں میں تھیں نبیؐ و علیؑ کی دہائیاں

امام حسینؑ دشمن کو للکارتے ہیں:

لو! سیل کو اور برق شرر بار کو روکو　　　رہوار کو روکو' مری تلوار کو روکو!
....
پانی ہوئی ہر موج زرہ فوج کے تن میں　　　ملبوس میں زندہ تھے کہ مردے تھے کفن میں

اپنی معلومات کی جانچ

1. انیس کے مرثیوں کی خصوصیات بیان کیجیے۔
2. انیس کی کردار نگاری پر مختصر نوٹ لکھیے۔
3. انیس کی جذبات نگاری پر تبصرہ کیجیے۔
4. رزم نگاری سے کیا مراد ہے؟

10.5 اُسلوبی خصوصیات

زبان و بیان کے لحاظ سے اس مرثیے کا شمار انیس کے منتخب مرثیوں میں ہوتا ہے۔ اعلیٰ درجے کی شاعری کے جو شرائط ہیں وہ کلام انیس میں کسی بھی مقام پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ چیزوں کے علم' زبان پر قدرت اور اظہار کے اعلیٰ پیمانوں پر یہ مرثیے پورے اترتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی پہلو کمزور رہ جائے تو قوت بیان میں کمی آجاتی ہے۔ ان کی قادر الکلامی میں کوئی کلام نہیں۔ قادر الکلامی کا اعلیٰ منصب یہ ہے کہ شاعر سامعین کو اپنے قبضے میں کرلے اور وہ جذبات یا خیالات جو شاعر سامعین کے دل میں پیدا کرنا چاہتا ہے' مجمع اسے قبول کرلے۔ یہاں ان کی لسانی خصوصیات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

10.5.1 فصاحت و بلاغت

فصاحت کے متعلق خود میر انیس کا خیال یہ ہے کہ

داند آں کس کہ فصاحت بہ کلامے دارد
ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

انہوں نے خود پوری شاعری میں اس کی پابندی کی۔ وہ فصیح سے فصیح تر لفظ ڈھونڈ کر لاتے ہیں اور واقعہ کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ اس کا اثر کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ واقعہ کربلا ایک ہی ہے اور شہدا کی شہادت کا بیان بھی ایک ہی ہے لیکن انیس اسی واقعہ کو ہر بار اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ واقعہ نیا معلوم ہونے لگتا ہے۔ ڈیڑھ دو سو بند کے مراثی میں نہ خیال دہرائے جاتے ہیں نہ الفاظ۔

مرثیوں کی نوعیت عوامی اور مجلسی اہمیت کی ہوتی ہے۔ اہل مجلس کو متاثر کرنے' جذبات کو بیدار کرنے کے لیے مرثیوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے مگر میر انیس نے اسے ایک فن بنادیا۔ ایسا فن جس کی بلندیوں تک آج بھی کوئی نہ پہنچ سکا۔ میر انیس کو اپنی فصاحت کا خود بھی بڑا احساس تھا۔ اپنے مرثیوں میں جگہ جگہ انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔

ع　　نمکِ خوانِ تکلم ہے فصاحت میری

ع ہے گوہر محیط فصاحت سخن مرا

ع پھولا ہوا فصاحت الفاظ کا چمن

فصاحت کے علاوہ بلاغت سے بھی میر انیس نے کام لیا ہے۔ فصاحت کی طرح اپنے کلام کی بلاغت پر بھی انہوں نے ناز کیا ہے۔

ناطقے بند ہیں سن سن کے بلاغت مری

انیس نے خود دعا کی ہے:

وہ مرقع ہو کہ دیکھیں اسے گر اہل شعور ہر ورق میں کہیں سایہ نظر آئے، کہیں نور
غُل ہو، یہ ہے کششِ موقلمِ طرّہ حور صاف ہر رنگ سے ہو قدرت صانع کا ظہور
کوئی ناظر جو یہ نایاب نظیریں سمجھے
نقشِ ارژنگ کو، کاواک لکیریں سمجھے

قلم فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ شمع تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ
صاف حیرت زدہ مانیؔ ہو تو بہزاد ہو دنگ خوں برستا نظر آئے جو دکھاؤں صف جنگ
رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

روزمرہ شرفا کا ہو، سلاست ہو وہی لب و لہجہ وہی سارا ہو، متانت ہو وہی
سامعیں جلد سمجھ لیں جسے، صنعت ہو وہی یعنی موقع ہو جہاں جس کا، عبارت ہو وہی
لفظ بھی چست ہو، مضمون بھی عالی ہوئے
مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہوئے

انیس کے دور کا لکھنؤ، رعایت لفظی اور صنعتوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ صنعتوں کا اتنا زیادہ بوجھ کبھی کبھی کلام کے فطری حسن پر بار ہوتا ہے، کیوں کہ شاعر آورد کا شکار ہو جاتا ہے۔ انیس نے ان صنعتوں سے خوب فائدہ اٹھایا لیکن کلام کی روانی اور فصاحت کہیں متاثر نہیں ہوتی۔ کلام کے حسن میں اضافے کے لیے وہ کجی اور تیرگی سے بھی کام لینا جائز سمجھتے ہیں۔

ہے کجی عیب، مگر حسن ہے ابرو کے لیے تیرگی بد ہے، مگر نیک ہے گیسو کے لیے
سرمہ زیبا ہے فقط نرگسِ جادو کے لیے زیب ہے خال سیہ، چہرۂ گل رو کے لیے

10.5.2 ایہام

کلام میں ایسے ''... انا جس کے معنی تو دو ہوتے ہیں مگر ان سے مراد صرف ایک معنی ہوتا ہے یعنی بعیدی معنی لیے جاتے ہیں۔ انیس کے کلام میں ایہام کی ... ی پڑی ہیں مثلاً

... مہر کے پرتو سے نہ جائے اقلیم سخن میری قلم رو سے نہ جائے
رنگ ... ہیں وہ رنگیں ہے، عبارت میری شور جس کا ہے وہ دریا ہے طبیعت میری

10.5.3 مبالغہ

کسی بات، واقعہ یا تعریف کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا مبالغہ ہے۔ حد سے بڑھا ہوا مبالغہ غلو ہے اور یہ کلام کا نقص بن جاتا ہے۔ انیس کے دور کی شاعری میں مبالغہ حد سے زیادہ نظر آتا ہے جہاں اعتدال اور حسن کلام کی سرحد ختم ہوجاتی ہے۔ انیس کے مزاج میں چوں کہ اعتدال تھا اس لیے ان کا مبالغہ بھی خلاف واقعہ نہیں معلوم ہوتا۔

ایک قطرے کو جو دوں بسط تو قلزم کردوں — بحر مواج فصاحت کو تلاطم کردوں
ماہ کو مہر کروں، ذروں کو انجم کردوں — گنگ کو ماہر انداز تکلم کردوں
درد سر ہوتا ہے، بے رنگ نہ فریاد کریں — بلبلیں مجھ سے گلستان کا سبق یاد کریں

10.5.4 تعلّی

اپنی اور اپنے کلام کی تعریف کرنا قدیم دور سے شعرا کا شیوہ رہا ہے۔ شاعر کو اپنا کلام سب سے عزیز ہوتا ہے۔ ہر بڑے چھوٹے شاعر نے تعلّی کے سیکڑوں اشعار باندھے ہیں۔ غالب کہتے ہیں:

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے — کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

میر کہتے ہیں:

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سنیے گا — کہتے کسی کو سنیے گا تو دیر تلک سر دھنیے گا

انیس فرماتے ہیں:

مرغان خوش الحان چمن بولیں کیا — جل جاتے ہیں سن کے روزمرّہ مرا

انہوں نے تعلّی کے سیکڑوں بند لکھے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ مبالغہ نہیں معلوم ہوتے۔ انہیں کلام پر ایسی ماہرانہ قدرت حاصل تھی کہ جہاں چاہتے تھے دریا کو کوزے میں سمیٹ دیتے تھے اور جب چاہتے تھے قطرے کو سمندر بنا دیتے تھے۔ طوالت کے خوف سے یہاں صرف ایک بند پیش کیا جاتا ہیں۔

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں — قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
ذرّے کی چمک مہر منوّر سے ملا دوں — کانٹوں کو نزاکت میں گلِ تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں

10.5.5 تضاد

کلام میں ایسے الفاظ لانا جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ مثلاً رات اور دن، جھوٹا اور سچا، اچھا اور برا وغیرہ۔ انیس فرماتے ہیں:

ہے کجی عیب مگر حسن ہے ابرو کے لیے — تیرگی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لیے

10.5.6 تنسیق الصفات

ممدوح کی صفات کا ذکر ترتیب وار کرنا۔ انیس کہتے ہیں:

ع خوش خو خوش خرام و خوش اندام و خوش لگام

10.5.7 تجنیس ناقص و زائد

کلام میں ایسے لفظ لانا جس میں ایک حرف کم اور زائد ہو۔ انیس کہتے ہیں

پیاسی تھی جو سپاہ خدا تین رات کی　　　ساحل پہ سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

10.5.8 حسن تعلیل

کسی بات کا اصل سبب بیان کرنے کے بجائے اس کی شاعرانہ توجیہ کرنا حسن تعلیل ہے۔ انیس کہتے ہیں :

خواہاں تھے نخلِ گلشن زہرا جو آب کے　　　شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

10.5.9 صنعت عکس وتبدیل

پانی میں آگ، آگ میں پانی خدا کی شان

10.5.10 سیاقتہ الاعداد

کلام میں اعداد کا خوب صورت استعمال کرنا کلام میں حسن پیدا کرتا ہے۔

آواز شش جہت میں بگیرو بزن کی تھی　　　اللہ کا کرم تھا مدد پنج تن کی تھی

10.5.11 تکرار

الفاظ کی تکرار سے بھی انیس نے کلام میں حسن پیدا کیا ہے مثلاً

حملہ کیا جو تیغ دو دم تول تول کے　　　ہتھیار سب نے پھینک دیے کھول کھول کے

10.5.12 تشبیہ

کسی چیز کو کسی دوسری بہتر چیز کے مماثل قرار دینا تشبیہ ہے۔ کلامِ انیس خوبصورت تشبیہات سے بھرا پڑا ہے مثلاً

کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جدا　　　جیسے کنار شوق سے ہو خوب رو جدا

10.5.13 استعارہ

مشبہ بہ کہہ کر مشبہ مراد لینا استعارہ ہے مثلاً

تھا شور کہ ہوش اڑتے ہیں یاں کبک دری کے　　　گھوڑے نہیں جھونکے ہیں نسیم سحری کے

ع بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں

ع شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

اپنی معلومات کی جانچ :

1. انیس کے مرثیوں میں کون کون سی صنعتیں ملتی ہیں؟
2. مبالغہ سے کیا مراد ہے؟
3. تعلّی سے کیا مراد ہے۔ انیس نے اپنی تعلّی کس طرح کی ہے۔
4. تشبیہ سے کیا مراد ہے؟ کلام انیس سے اس کی ایک مثال لکھیے۔

نمک خوانِ تکلّم ہے ' فصاحت میری — ناطقے بند ہیں' سن سن کے بلاغت میری
رنگ اڑتے ہیں وہ رنگین ہے عبارت میری — شور جس کا ہے وہ دریا ہے طبیعت میری
عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پُشت ہے شبیر کی مداحی میں

ایک قطرے کو جو دوں بسط تو قلزم کردوں — بحرِ مواجِ فصاحت کو تلاطم کردوں
ماہ کو مہر کروں ' ذرّوں کو انجم کردوں — گنگ کو ماہرِ اندازِ تکلّم کردوں
دردِ سر ہوتا ہے' بے رنگ نہ فریاد کریں
بُلبلیں مجھ سے گلستان کا سبق یاد کریں

اس ثناخواں کے بزرگوں میں ہیں کیا کیا مداح — جدِاعلیٰ سا نہ ہوگا کوئی اعلا مداح
باپ مدّاح کا ' مدّاح ہے' دادا مدّاح — عم ذی قدر' ثنا خوانوں میں یکتا مداح
جو عِنایاتِ الٰہی سے ہوا' نیک ہوا
نام بڑھتا گیا' جب ایک کے بعد ایک ہوا

طبع ہر ایک کی موزوں' قدِ زیبا موزوں — صورتِ سرو' ازل سے ہیں سراپا موزوں
نثر بے سجع نہیں ' نظمِ معلاّ موزوں — کہیں سکتہ نہیں آسکتا ' کجا ناموزوں
تول لے عقل کی میزاں میں' جو فہمیدہ ہے
بات جو منہ سے نکلتی ہے' وہ سنجیدہ ہے

خلق میں مثل خلیق اور تھا خوش گو کوئی کب؟ — نام لے' دھولے زباں کوثر وتسنیم سے جب
بُلبلِ گلشنِ زہرا و علی ' عاشقِ رب — تبع مرثیہ گوئی میں ہوئے' جس کے سب
ہو اگر طبع میں جودت ہے کہ موزونی ہے
اس احاطے سے جو باہر ہے' وہ بیرونی ہے

بھائی خوش فکرت و خوش لہجہ و پاکیزہ خصال — جن کا سینہ' گہرِ علم سے ہے مالا مال
یہ فصاحت' یہ بلاغت' یہ سلاست' یہ کمال — معجزہ گر نہ اِسے کہیے' تو ہے سحرِ حلال
اپنے موقع پہ جسے دیکھیے لاثانی ہے
لطف حضرت کا ہے' یہ رحمت یزدانی ہے

کیوں نہ ہو! بندۂ موروثیِ مولا ہوں میں — قلزمِ رحمت معبود کا ' قطرہ ہوں میں
جس میں لاکھوں دُردرجاں ہیں وہ دریا ہوں میں — مدح خوانِ پسرِ حضرت زہرا ہوں میں
وصف جوہر کا کروں' یا صفتِ ذات کروں
اپنے رُتبے پہ' نہ کیوں آپ مباہات کروں؟

مُبتدی ہوں' مجھے توقیرِ عطا کر' یا رب! — شوقِ مداحیِ شبیر عطا کر یارب!
سنگ ہو موم' وہ تقریر' عطا کر' یا رب! — نظم میں رونے کی تاثیر' عطا کر یارب!
جدّ و آبا کے سوا ' غیر کی تقلید نہ ہو
لفظ مغلق نہ ہو' گنجلک نہ ہو' تعقید نہ ہو

وہ مرقع ہو، کہ دیکھیں اسے گر اہلِ شعور ہر ورق میں، کہیں سایہ نظر آئے، کہیں نور
غُل ہو، یہ ہے کششِ موقلم طرۂ حور صاف ہر رنگ سے ہو قدرتِ صانع کا ظہور
کوئی ناظر، جو یہ نایاب نظیریں سمجھے
نقشِ ارژنگ کو کاواک لکیریں سمجھے

قلم فکر سے کھینچوں، جو کسی بزم کا رنگ شمعِ تصویر پہ گرنے لگیں، آ آ کے پتنگ
صاف حیرت زدہ مانی ہو، تو بہزاد ہو دنگ خوں برستا نظر آئے جو دکھاؤں صفِ جنگ
رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی، آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

روزمرّہ شرفا کا ہو، سلاست ہو وہی لب و لہجہ وہی سارا ہو، متانت ہو وہی
سامعین جلد سمجھ لیں جسے صنعت ہو وہی یعنی موقع ہو جہاں جس کا عبارت ہو وہی
لفظ بھی چست ہو، مضمون بھی عالی ہووے
مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے

ہے کجی عیب، مگر حسن ہے ابرو کے لیے تیرگی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لیے
سرمہ زیبا ہے، فقط نرگسِ جادو کے لیے زیب ہے خالِ سیہ، چہرہ گل رو کے لیے
داند آں کس کہ فصاحت بہ کلامے دارد
ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

بزم کا رنگ جدا، رزم کا میداں ہے جدا یہ چمن اور ہے، زخموں کا گلستاں ہے جدا
فہم کامل ہو تو ہر نامے کا عنواں ہے جدا مختصر پڑھ کے رلا دینے کا ساماں ہے جدا
دبدبہ بھی ہو مصائب بھی ہوں، توصیف بھی ہو
دل بھی محظوظ ہوں، رقت بھی ہو، تعریف بھی ہو

ماجرا صبحِ شہادت کا بیاں کرتا ہوں رنج و اندوہ و مصیبت کا بیاں کرتا ہوں
تشنہ کاموں کی عبادت کا بیاں کرتا ہوں جاں نثاروں کی اطاعت کا بیاں کرتا ہوں
جن کا ہمتا نہیں ایک ایک مصاحب ایسا
ایسے بندے نہ کبھی ہوں گے، نہ صاحب ایسا

صبحِ صادق کا ہوا چرخ پہ جس وقت ظہور زمزمے کرنے لگے، یادِ الٰہی میں طیور
مثلِ خورشید، برآمد ہوئے خیمے سے حضور یک بیک پھیل گیا چار طرف دشت میں نور
شش جہت میں رخِ مولا سے ظہورِ حق تھا
صبح کا ذکر ہے کیا! چاند کا چہرہ فق تھا

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں، وہ بیاباں، وہ سحر دم بہ دم جھومتے تھے، وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرشِ زمرد پہ بچھائے تھے گہر لوٹی جاتی تھی لہکتے ہوئے سبزے پہ نظر
دشت سے جھوم کے جب بادِ صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

بلبلوں کی وہ صدائیں، وہ گلوں کی خوش بو
دل کو الجھاتے تھے، سنبل کے وہ پرخم گیسو
قمریاں کہتی تھیں، شمشاد پہ یا ہو! یا ہو!
فاختہ کی، یہ صدا سرو پہ تھی، کو، کو، کو،
وقت تسبیح کا تھا عشق کا دم بھرتے تھے
اپنے معبود کی، سب حمد و ثنا کرتے تھے

آئے سجادۂ طاعت پہ امام دوجہاں
اس طرف طبل بجا، یاں ہوئی لشکر میں اذاں
وہ مصلی، کہ زباں جن کی حدیث و قرآں
وہ نمازی، کہ جو ایماں کے تن پاک کی جاں
زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے، ابراروں میں
عابد ایسے تھے کہ سجدے کیے، تلواروں میں

کیا جوانانِ خوش اطوار تھے، سبحان اللہ
کیا رفیقانِ وفادار تھے، سبحان اللہ
صف در و غازی و جرار تھے، سبحان اللہ
زاہد و عابد و ابرار تھے، سبحان اللہ
زن و فرزند سے فرقت ہوئی، مسکن چھوڑا
مگر احمدؐ کے نواسے کا، نہ دامن چھوڑا

اللہ اللہ! عجب فوج، عجب غازی تھے
عجب اسوار تھے بے مثل، عجب تازی تھے
لائقِ مدح و سزاوارِ سرافرازی تھے
گو بہت کم تھے، پہ آمادۂ جاں بازی تھے
پیاس ایسی تھی کہ آ آ گئی جاں ہونٹوں پر
صابر ایسے تھے کہ پھیری نہ زباں ہونٹوں پر

زہد میں حضرتِ سلماں کے برابر کوئی
دولت فقر و قناعت میں، ابو ذر کوئی
صدقِ گفتار میں، عمار کا ہمسر کوئی
حمزۂ عصر کوئی، مالکِ اشتر کوئی
ہوں گے ایسے ہی، محمدؐ کے جو شیدا ہوں گے
پھر جہاد ایسا نہ ہوگا، نہ وہ پیدا ہوں گے

گو مصیبت میں، تلاطم میں، تباہی میں رہے
سر کٹے، پانو مگر راہِ الٰہی میں رہے
یوں سرافراز، وہ شب لشکرِ شاہی میں رہے
جس طرح تیغ دو دم دستِ سپاہی میں رہے
اس مصیبت میں، نہ پایا کبھی شاکی ان کو
آبرو، ساقیِ کوثر نے عطا کی ان کو

وہ تخشّع، وہ تضرّع، وہ قیام اور وہ قعود
وہ تذلّل، وہ دعائیں، وہ رکوع اور وہ سجود
یادِ حق دل میں، تو سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ درود
یہ دعا خالقِ اکبر سے، کہ اے ربِ ودود!
یوں لٹیں ہم کہ نہ آل اور نہ اولاد رہے
مگر احمدؐ کے نواسے کا گھر آباد رہے

موم فولاد ہو، آوازوں میں وہ سوز و گداز
اپنے معبود سے سجدوں میں عجب راز و نیاز
سر تو سجادوں پہ تھے، عرشِ معلا پہ نماز
شیر دل، منتخبِ دہر، وحید و ممتاز
چاند شرمندہ ہو چہرے متجلّی ایسے
نہ امام ایسا ہوا پھر، نہ مصلّی ایسے

جب فریضے کو ادا کر چکے' وہ خوش کردار   کس کے کمروں کو بصد شوق لگائے ہتھیار
جلوہ فرما ہوئے گھوڑے پہ شہ عرش وقار   علم فوج کو عباس نے کھولا اک بار
دشت میں نکہت فردوسِ بریں آنے لگی
عرش تک اس کے پھریرے کی ہوا جانے لگی

لہر وہ سبز پھریرے کی' وہ پنجے کی چمک   شرم سے ابر میں چھپ جاتا تھا خورشیدِ فلک
کہتے تھے صلِ علیٰ چرخ پہ' اٹھ اٹھ کے مَلک   دنگ تھے سب' وہ سماں تھا سماں تا بہ سمک
کہیے پستی اسے جو اوج ہما نے دیکھا
وہ سماں پھر نہ کبھی ارض و سما نے دیکھا

اس طرح جب علمِ دلبرِ زہرا جائے   کس سے پھر معرکہ رزم میں ٹھہرا جائے
سانپ دشمن کو نہ کیوں چھاتی پہ لہرا جائے   لہر میں تا بہ فلک جس کا پھریرا جائے
رفع شر کو' علم خیرِ بشر آیا تھا
سورہ نصر' پئے فتح و ظفر آیا تھا

وہ علم دار' کہ جو شیرِ الٰہی کا خلف   گوہرِ بحر وفا' نیرِ دیں' درِ نجف
فخر' حمزہ سے نمودار کا جعفر کا شرف   کس طرح چاند کہوں؟ چاند میں ہے عیبِ کلف
کس نے پایا وہ جو تھا جاہ و حشم ان کے لیے
یہ علم کے لیے تھے' اور علم ان کے لیے

سرو شرمائے قد اس طرح کا قامت ایسی   اسداللہ کی تصویر تھے' صورت ایسی
شیر' نعروں سے دہل جاتے تھے صولت ایسی   جاکے پانی نہ پیا نہر میں ہمت ایسی
جان جب تک تھی' اطاعت میں رہے بھائی کی
تھے علم دار' مگر بچوں کی سقائی کی

وہ بہشتی نے کیا جس کو وفا کہتے ہیں   سب انہیں عاشقِ شاہ شہدا کہتے ہیں
ان کو قبلہ تو انہیں قبلہ نما کہتے ہیں   جو بہادر ہیں وہ شمشیر خدا کہتے ہیں
عشقِ سردار و علم دار کا افسانہ ہے
وہ چراغ رہ دیں ہیں' تو یہ پروانہ ہے

اک طرف اکبرِ مہ رُو سا جوانِ نایاب   کچھ جو بچپن تھا' تو کچھ آمدِ ایامِ شباب
روشنی چہرے پہ ایسی کہ خجل ہو مہتاب   آنکھیں ایسی کہ رہا نرگس شہلا کو حجاب
جس نے ان گیسوؤں میں رخ کی ضیا کو دیکھا
شب معراج میں محبوبِ خدا کو دیکھا

اے خوشا! حسن رخ یوسفِ کنعانِ حَسن   راحت روحِ حُسینؑ' ابنِ علی' جانِ حَسن
جسم میں زورِ علی' طبع میں احسانِ حَسن   ہمہ تن خُلقِ حَسن' حُسنِ حَسن' شانِ حَسن
تن پہ کترتی تھی نزاکت سے گرانی پوشاک
کیا بھلی لگتی تھی! بچپن میں شہانی پوشاک

اللہ اللہ! اسد حق کے نواسوں کا جلال   چاند سے چہروں پہ' بل کھائے ہوئے زلفوں کے بال
نیمچے' کاندھے پہ رکھے ہوئے مانند ہلال   گرچہ بچپن تھا' پہ رستم کو سمجھتے تھے وہ زال
صف سے گھوڑوں کو بڑھا کر جو پلٹ جاتے تھے
مورچے لشکر کفار کے ہٹ جاتے تھے

آستیوں کو چڑھائے ہوئے' آمادۂ جنگ   وہی سارا اسداللہ کا نقشہ' وہی ڈھنگ
سرخ چہرے تھے کہ شیروں کا یہی ہوتا ہے رنگ   ولولہ صف کے الٹنے کا' لڑائی کی امنگ
جسم پر تیر چلیں' نیزۂ خوں خوار چلے
شوق اس کا تھا کہ جلدی کہیں تلوار چلے

یک بہ یک طبل بجا' فوج میں گرجے بادل   کوہ تھرائے' زمیں ہل گئی' گونجا جنگل
پھول ڈھالوں کے چمکنے لگے' تلواروں کے پھل   مرنے والوں کو نظر آنے لگی شکلِ اجل
واں کے چاؤش بڑھانے لگے دل لشکر کا
فوج اسلام میں' نعرہ ہوا یا حیدر! کا

شور میدانیوں میں تھا کہ دلیرو' نکلو!   نیزہ بازی کرو' رہواروں کو پھیرو' نکلو!
نہر قابو میں ہے' اب پیاسوں کو گھیرو' نکلو!   غازیو! صف سے بڑھو' غول سے شیرو! نکلو!
رستمو! دادِ وَغا دو' کہ یہ دن داد کا ہے
سامنا حیدرِ کرّار کی اولاد کا ہے

شور سادات میں تھا' یا شہِ مرداں مددے!   کعبۂ دیں مددے' قبلۂ ایماں مددے!
قوتِ بازوے پیغمبرِ ذی شاں' مددے!   دمِ تائید ہے' اے فخرِ سلیماں مددے!
تیسرا فاقہ ہے' طاقت میں کمی ہے مولا!
طلبِ قوتِ ثابت قدمی ہے مولا!

پیاس میں حرف نہ شکوے کا زباں پر لائیں   دم بہ دم سینوں پہ' فاقوں میں سنانیں کھائیں
دل نہ تڑپے' جو دمِ نزع نہ پانی پائیں   تیرے فرزند کی تائید کریں' مرجائیں
لاشیں مقتل میں ہوں' لاشِ شہِ دل گیر کے ساتھ
سر ہوں نیزوں پہ' سرِ حضرتِ شبیر کے ساتھ

سامنے بڑھ کے' یکایک صفِ کفار آئی   جھوم کر تیرہ گھٹا' تاروں پہ اک بار آئی
روزِ روشن کے چھپانے کو' شبِ تار آئی   تشنہ کاموں کی طرف تیروں کی بوچھار آئی
ہنس کے' منہ بھائی کا شاہِ شہدا نے دیکھا
اپنے آقا کو بہ حسرت' رفقا نے دیکھا

عرض عباس نے کی جوش ہے جراروں کو   تیر سب کھاتے ہیں' تولے ہوئے تلواروں کو
میہمانوں کا نہیں پاس' ستم گاروں کو   مصلحت ہو تو رضا دیجیے' غم خواروں کو
روسیاہوں کو ہٹادیں' کہ بڑھے آتے ہیں
ہم جو خاموش ہیں' وہ منہ پہ چڑھے آتے ہیں

شہ نے فرمایا' مجھے خود ہے شہادت منظور   نہ لڑائی کی ہوس ہے' نہ شجاعت کا غرور
جنگ منظور نہ تھی ان سے؟ پر اب ہوں مجبور   خیر! لڑلو' کہ ستاتے ہیں یہ' بے جرم وقصور
ذبح کرنے کے لیے لشکرِ ناری آئے
کہیں جلدی' مرے سر دینے کی باری آئے

حکم پانا تھا کہ شیروں نے اڑائے تازی   مثل شہباز گیا' ایک کے بعد اک غازی
واہ ری حرب! خوشا ضرب! زہے جاں بازی   اڑ گئے ہاتھ' بڑھا جو پئے دست اندازی
تن و سر لوٹتے ریتی پہ نظر آتے تھے
ایک حملے میں قدم فوج کے اٹھ جاتے تھے

جس پہ غصے میں گئے' صید پہ شہباز گرا   یہ کماں کٹ کے گری' وہ قدر انداز گرا
جب گرا خاک پہ گھوڑے سے' تو ممتاز گرا   نہ اٹھا پھر کبھی' جو تفرقہ پرداز گرا
ہاتھ منہ کٹ گئے' سر اڑ گئے' جی چھوٹ گئے
مورچے ہو گئے پامال' پرے ٹوٹ گئے

بعد غیروں کے' عزیزوں نے کیا عزم نبرد   سر کو نہوڑا کے' بھرا سبط نبی نے دم سرد
ہوک اٹھتی تھی کبھی سینے میں' دل میں کبھی درد   سرخ ہوتا تھا کبھی چاند سا چہرہ کبھی زرد
کوئی گل رو' تو کوئی سرو سہی بالا تھا
وہ بچھڑنے لگے' گودی میں جنہیں پالا تھا

زلفوں والا تھا کوئی' کوئی مرادوں والا   کوئی بھائی کا پسر کوئی بہن کا پالا
چاند سا منہ جو کسی کا تھا تو گیسو ہالا   کوئی قامت میں بہت کم' کوئی قد میں بالا
نوجواں' کون سا خوش رو' و خوش انداز نہ تھا
کتنے ایسے تھے کہ سبزہ ابھی آغاز نہ تھا

ہاتھ وہ بچوں کے اور چھوٹی سی وہ تلواریں   موم کردیتی تھیں فولاد کو جن کی دھاریں
آب ہو شیر کا زہرہ' وہ اگر للکاریں   بجلیاں کوند رہی ہیں' کسے نیزے ماریں
کس بشاشت سے ہزاروں پہ دلیر آتے ہیں
بچے آتے ہیں' کہ بپھرے ہوئے شیر آتے ہیں

یہی ہنگامہ رہا صبح سے تا وقتِ زوال   لاش پر لاش گری' بھر گیا میدانِ قتال
مورچے سب تہ وبالا تھے' پرے سب پامال   سرخ رو' خلق سے اٹھے اسداللہ کے لال
کھیت ایسے بھی کسی جنگ میں کم پڑتے ہیں
جو لڑا' سب یہی سمجھے کہ علی لڑتے ہیں

قاسم و اکبر و عباس کا اللہ رے! جہاد   غل ہر اک ضرب پہ تھا' اب ہوئی دنیا برباد
الاماں کا تھا کہیں شور' کہیں تھی فریاد   دے گئے خلق میں مردانگی و حرب کی داد
گو وہ دنیا میں نہیں' عرش مقام ان کا ہے
آج تک عالم ایجاد میں' نام ان کا ہے

دو پہر میں' وہ چمن' بادِ خزاں نے لوٹا پتّہ پتّہ ہوا تاراج' تو بوٹا بوٹا
باپ بیٹے سے چھٹا' بھائی سے بھائی چھوٹا ابنِ زہرا کی کمر جھک گئی' بازو ٹوٹا
پھر نہ یاور' نہ وہ جاں باز نہ وہ شیدا تھے
ظہر کے وقت حسین ابن علی تنہا تھے

صاحبِ فوج پہ طاری تھا عجب رنج و ملال زرد تھا رنگ تو آنکھیں تھیں لہو رونے سے لال
کبھی بھائی کا الم تھا' کبھی بیٹے کا خیال کبھی دھڑکا تھا کہ لاشیں نہ کہیں ہوں پامال
کبھی بڑھتے تھے وغا کو کبھی رک جاتے تھے
سیدھے ہوتے تھے کبھی اور کبھی جھک جاتے تھے

بڑھ کے چلّاتے تھے بے درد' کہ اب آپ آئیں جوہرِ تیغِ شہنشاہِ نجف دکھلائیں
مرنے والے نہیں جیتے' جو سِنانیں کھائیں کاٹ لیں آپ کا سرتن سے' تو فرصت پائیں
پسرِ سعد سے وعدہ ہے' صلا لینے کا
حکم ہے' خیمۂ اقدس کے جلا دینے کا

شہ نے فرمایا کہ سر کاٹ لو' حاضر ہوں میں نہ تو لڑنے میں' نہ مرجانے میں' قاصر ہوں میں
فوج بھی اب نہیں' بے یاور و ناصر ہوں میں شہر و صحرا بھی تمہارا ہے' مسافر ہوں میں
لوٹ لو' پھونک دو' تاراج کرو' بہتر ہے
کلمہ گویو! یہ تمہارے ہی نبی کا گھر ہے

کئی سیدانیاں خیمے میں ہیں پردے والی جن کا رتبہ ہے زمانے میں ہر اک پر عالی
اب نہ وارث ہے کوئی سر پہ' نہ کوئی والی ان کو دیجو' کوئی رہ جائے جو خیمہ خالی
یہ نبی زادیاں' بے پردہ نہ ہوویں جس میں
ایک گوشہ ہو کہ سب بیٹھ کے رودیں جس میں

شہ کی ان باتوں کا' اعدا نے دیا جو کہ جواب گر لکھوں اس کو تو ہوجائے جگر سنگ کا آب
قلب تھرّا گیا' ہرگز نہ رہی ضبط کی تاب دیکھ کر رہ گئے گردوں کو شہِ عرش جناب
اشکِ خالی اُسے کہتے ہیں' جو دل بھر آئے
آپ رونے کے لیے خیمے کے در پر آئے

تھم کے چلّائے' کہ اے زینب و اُم کلثوم تم سے رخصت کو پھر آیا ہے' حسینِ مظلوم
اب مرے قتل کے در پے ہے' یہ سب لشکرِ شوم ہاں جگادو اسے' غش ہو جو سکینہ معصوم
نہیں ملتا جو زمانے سے گذر جاتا ہے
کہہ دو عابد سے' کہ مرنے کو پدر جاتا ہے

کہہ کے یہ باگ پھرائی طرفِ لشکرِ شام پڑ گیا خیمۂ' ناموسِ نبی میں کہرام
رن میں گھوڑے کو اڑاتے ہوئے آئے جو امام رعب سے فوج کے دل ہل گئے کانپے اندام
سر جھکے ان کے' جو کامل تھے زباں دانی میں
اڑ گئے ہوش فصیحوں کے' رجز خوانی میں

تھا یہ نعرہ ' کہ محمد کا نواسا ہوں میں   مجھ کو پہچانو! کہ خالق کا شناسا ہوں میں
زخمی ہونے سے' نہ مرنے سے ہراساں ہوں میں   تیسرا دن ہے یہ گرمی میں کہ پیاسا ہوں میں
چین کیا چیز ہے' آرام کسے کہتے ہیں؟
اس پہ شکوہ نہیں کچھ' صبر اسے کہتے ہیں!

اس کا پیارا ہوں' جو ہے ساقیٔ حوضِ کوثر   اس کا بیٹا ہوں' جو ہے فاتحِ بابِ خیبر
اس کا فرزند ہوں' کی جس نے مہم بدر کی سر   اس کا دل بر ہوں میں' دی جس نے نبی کو دختر
صاحبِ تخت ہوئے ' تیغ ملی ' تاج ملا
دوش احمدؐ پہ ' انھیں رتبۂ معراج ملا

بے وطن ہوں ' نہ مسافر کو ستاؤ ' للّٰلہ   قتل کیوں کرتے ہو تم؟ کون سا میرا ہے گناہ؟
اب نہ یاور ہے کوئی ساتھ' نہ لشکر' نہ سپاہ   تم کو لازم ہے' غریبوں پہ ترحم کی نگاہ
ہاتھ آئے گا نہ انعام' نہ زر پاؤ گے
یاد رکھو' مرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے

نہ ابھی ختم ہوئی تھی ' یہ مسلسل تقریر   حجت اللہ کے فرزند پہ' چلنے لگے تیر
چوم کر تیغ کے قبضے کو' پکارے شبیرؑ   لو خبردار! چمکتی ہے علی کی شمشیر
پسرِ فاتحِ صِفّین و حُنین آتا ہے
لو صفیں باندھ کے روکو تو! حسینؑ آتا ہے

یہ صدا سن کے' حرم خیمے سے مضطر دوڑے   شہ کی آواز پہ' سب بے کس و بے پر دوڑے
گر پڑیں سر سے ردائیں تو کھلے سر دوڑے   بچے روتے ہوئے' ماؤں کے برابر دوڑے
رو کے. چلائی سکینہ ' شہِ والا آؤ!
میں تمہیں ڈھونڈتی تھی دیر سے' بابا آؤ!

آؤ اچھے مرے بابا! میں تمہارے واری   دیکھو! تم بن ہیں' گلے تک مرے آنسو جاری
آج یہ کیا ہے؟ کہ بھولے مری خاطرداری   ہاتھ پھیلا کے کہو' آ مری بیٹی پیاری
منھ چھپانے کی ہے کیا وجہ؟ نہ شرماؤ تم!
اب میں پانی بھی نہ مانگوں گی' چلے آؤ تم

دیکھ کر پردے سے' یہ کہنے لگی زینب زار   ابنِ زہرا! تری مظلومی کے ہمشیر نثار
آؤ! چادر سے کروں پاک میں چہرے کا غبار   شہ نے فرمایا بہن! مر گئے سب مونس و یار
تم نے پالا تھا جسے ہم اسے رو آئے ہیں
علی اکبر سے جگر بند کو' کھو آئے ہیں

منہ دکھائیں کسے' سب سے ہے ندامت زینب!   گھر میں آنے کی' نہیں بھائی کو فرصت زینب
کھینچ لائی ہے سکینہ کی محبت زینب!   بھائی جاتا ہے' دکھا دو ہمیں صورت زینب!
نہ تو سر کھولو ' نہ منھ پیٹو ' نہ فریاد کرو!
بھول جاؤ ہمیں ' اللہ کو اب یاد کرو!

کہیو عابد سے' یہ پیغام مرا بعد سلام   غش تھے تم پھر گئے دروازے تلک آکے امام
قید میں پھنس کے' نہ گھبرائیو' اے گل اندام!   کاٹیو صبر و رضا سے' سفر کوفہ و شام
ناؤ منجدھار میں ہے' شور تلاطم جانو
ناخدا جاتا ہے' گھر جانے اب اور تم جانو

لو' کھینچی تیغ دوسر' فوج پہ آفت آئی   لو: ہلا قائمہ عرش' قیامت آئی
فتح تسلیم کو' آداب کو نصرت آئی   فخر سے غاشیہ برداری کو شوکت آئی
چوم لوں پاؤں' جلال اس تگ و دو میں آیا
ہاتھ جوڑے ہوئے اقبال جلو میں آیا

آپ سیدھے جو ہوئے' رخش نے بدلے تیور   دونوں آنکھیں ابل آئیں کہ ڈرے بانیِ شر
تھوتھنی ہل گئی سینے سے کیا دم کو چنور   مثل طاؤس اڑا' گاہ ادھر' گاہ اُدھر
دم بہ دم' گردِ نسیم سحری پھرتی تھی
جھوم کرتا پھرتا تھا گھوڑا کہ پری پھرتی تھی

ابر ڈھالوں کا اٹھا' تیغ دو پیکر چمکی   برق چھپتی ہے' یہ چمکی تو برابر چمکی
سوئے پستی کبھی کوندی' کبھی سر پر چمکی   کبھی انبوہ کے اندر' کبھی باہر چمکی
جس طرف آئی وہ ناگن' اسے ڈستے دیکھا
مینھ سروں کا' صف دشمن میں برستے دیکھا

دھار ایسی کہ رواں ہوتا ہے دھارا جیسے   گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کنارا جیسے
چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارا جیسے   روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے
کوندنا برق کا' شمشیر کی ضو میں دیکھا
کبھی ایسا نہیں دم خم مہِ نو میں دیکھا

اک اشارے میں برابر کوئی دو تھا کوئی چار   نہ پیادہ کوئی بچتا تھا سلامت نہ سوار
برق گرتی تھی کہ چلتی تھی صفوں پر تلوار   غضب اللہ علیہم کے عیاں تھے آثار
موت ہر غول کو برباد کیے جاتی تھی
آگ' گھیرے ہوئے دوزخ میں لیے جاتی تھی

تیغیں آری ہوئیں' ڈھالوں کے اڑے پرکالے   بند سب بھول گئے' خوف سے نیزوں والے
جو بڑھا' ہاتھ سر دست' قلم کر ڈالے   تیغ کہتی تھی' یہ سب ہیں مرے دیکھے بھالے
صف پہ صف باندھ کے نیزوں کو عبث تولے ہیں
ایسے عقدے' مرے ناخن نے بہت کھولے ہیں

جب کبھی' جائزۂ فوجِ ستم لیتی ہوں   موت سے رحم نہ کرنے کی قسم لیتی ہوں
دو زبانوں سے' سدا کار قلم لیتی ہوں   چہرے کٹ چکتے ہیں لشکر کے تو دم لیتی ہوں
برطرف ہو کے' عدم کے سفری ہوتے ہیں
طبلقیں کٹتی ہیں' چہرے نظری ہوتے ہیں

وہ برش، وہ چمک اس کی، وہ صفائی اس کی — کسی تلوار نے، تیزی نہیں پائی اس کی
اس کا بازو جو اڑایا تو کلائی اس کی — مل گئی جس کے گلے سے اجل آئی اس کی
صورتِ مرگ، کسی نے بھی نہ آتے دیکھا
سر پہ چمکی، تو کمر سے اسے جاتے دیکھا

کبھی ڈھالوں پہ گری، اور کبھی تلواروں پر — پیدلوں پر کبھی آئی، کبھی اسواروں پر
کبھی ترکش پہ رکھا منہ، کبھی سوفاروں پر — کبھی سر کاٹ کے آپہنچی، کماں داروں پر
گر کے اس غول سے اٹھی، تو اس انبوہ میں تھی
کبھی دریا میں، کبھی بر میں، کبھی کوہ میں تھی

کبھی چہرہ، کبھی شانہ، کبھی پیکر کاٹا — کبھی در آئی جگر میں تو کبھی سر کاٹا
کبھی مغفر، کبھی جوشن، کبھی بکتر کاٹا — طول میں راکب و مرکب کو برابر کاٹا
برشِ تیغ کا غل، قاف سے تا قاف رہا
پی گئی خون ہزاروں کا، پہ منہ صاف رہا

نہ رکی خود پہ وہ، اور نہ سر پر ٹھہری — نہ کسی تیغ پہ دم بھر نہ سپر پر ٹھہری
نہ جبیں پر، نہ جگر پر ٹھہری — کاٹ کر زیں کو نہ گھوڑے کی کمر پر ٹھہری
جان گھبرا کے، تنِ دشمنِ دیں سے نکلی
ہاتھ بھر ڈوب کے تلوار زمیں سے نکلی

کٹ گئی تیغ تلے جب صفِ دشمن آئی — یک بیک فصلِ فراقِ سر و گردن آئی
بگڑی اس طرح لڑائی کہ نہ کچھ بن آئی — تیغ کیا آئی کہ اڑتی ہوئی ناگن آئی
غل تھا، بھاگو! کہ یہ ہنگام ٹھہرنے کا نہیں
زہر اس کا جو چڑھے گا، تو اترنے کا نہیں

وہ چمک اس کی، سروں کا وہ برسنا ہر سو — گھاٹ سے تیغ کے، اک حشر بپا تھا لب جو
آب میں صورت آتش تھی جلا دینے کی خو — اور دم بڑھتا تھا، پیتی تھی جو اعدا کا لہو
کبھی جوشن، تو کبھی صدرِ کشادہ کاٹا
جب چلی، ضربتِ سابق سے زیادہ کاٹا

تنِ تنہا، شہ دیں، لاکھ سواروں سے لڑے — بے سپر، برچھیوں والوں کی قطاروں سے لڑے
صورتِ شیرِ خدا، ظلم شعاروں سے لڑے — دو سے اک لڑ نہیں سکتا، یہ ہزاروں سے لڑے
گر ہو غالب، تو ہزاروں پہ وہی غالب ہو
جو دل و جانِ علی ابنِ ابی طالب ہو

تیسرے فاقے میں یہ جنگ، یہ حملے یہ جدال — پیاس وہ پیاس کہ نیلم تھے سراسر لب لال
دھوپ وہ دھوپ کہ سوکھے ہوئے تھے تازہ نہال — لو، وہ لو جس کی حرارت سے پگھلتے تھے جبال
سنگ ریزوں میں، تب و تاب تھی انگاروں کی
سر پہ یا دھوپ تھی یا چھاؤں تھی تلواروں کی

شیر سے تھے کبھی جنگل میں، ترائی میں کبھی ڈھال کو چہرے پہ روکا، نہ لڑائی میں کبھی
تیغ حیدر نے کمی کی، نہ صفائی میں کبھی فرق آیا، نہ سر و تن کی جدائی میں کبھی
کسی ابرو کا بھی، ایسا نہ اشارہ دیکھا
جس پہ اک بار چلی، اس کو دوبارہ دیکھا

آنکھ، وہ آنکھ کہ شیروں کی جلالت جس میں رخش، وہ رخش کہ سب برق کی سرعت جس میں
تیغ، وہ تیغ، عیاں موت کی صورت جس میں ہاتھ، وہ ہاتھ، یداللہ کی طاقت جس میں
روک لے وار، جگر کیا کسی بے پیر کا ہے
زور وہ، جس میں اثر فاطمہ کے شیر کا ہے

جنگ میں پیاس کا صدمہ، شہ دیں سے پوچھو تنِ تنہا کی وغا، لشکرِ کیں سے پوچھو
زلزلہ دشتِ پُر آفت کا، زمیں سے پوچھو ضربِ شمشیر دو سر، روحِ امیں سے پوچھو
باپ اس فوج میں تنہا، پسر اس لشکر میں
کربلا میں یہ تلاطم ہوا، یا خیبر میں

اسداللہ کے صدقے، شہ والا کے نثار وہی حملے تھے، وہی زور، وہی تھی تلوار
فتح حیدر نے کیا جنگ میں خیبر کا حصار مورچے فوج کے حضرت نے بھی توڑے کئی بار
کیوں نہ ہو، احمد مرسل کے نواسے تھے حسین
فرق اتنا تھا کہ دو روز کے پیاسے تھے حسین

ہر طرف فوج میں غل تھا کہ دہائی، مولا! ہم نے دیکھی ترے ہاتھوں کی صفائی مولا!
الاماں! خوب سزا جنگ کی پائی مولا! آپ کرتے ہیں بروں سے بھی بھلائی مولا!
ہاتھ ہم باندھتے ہیں، پھینک کے شمشیروں کو
بخشیے! لعنتِ نااہل کی تقصیروں کو

آئی ہاتف کی یہ آواز، کہ اے عرش مقام یہ وغا تیسرے فاقے میں، بشر کا نہیں کام
اے محمدؐ کے جگر بند، امام ابن امام! لوحِ محفوظ پہ، مرقوم ہے صابر ترا نام
اب نہیں حکم، لعینوں سے وغا کرنے کا
ہاں، یہی وقت ہے، وعدے کے وفا کرنے کا

آج ہے، آٹھوں بہشتوں کی نئی تیاری نخل سرسبز ہیں، فردوس میں نہریں جاری
شب سے حوریں ہیں مکلل بہ جواہر ساری خانۂ دوست میں ہے، دوست کی مہماں داری
پیشوائی کو، رسول الثقلین آتے ہیں
عرش تک شور یہی ہے، کہ حسین آتے ہیں

تھم گئے سن کے یہ آواز، شہ جن و بشر روک کر تیغ کو فرمایا کہ حاضر ہے یہ سر
عید ہو، جلد اگر ذبح کریں بانیِ شر شمرِ اظلم ہے کدھر؟ کھینچ کے آئے خنجر
ہے وہ عاشق، جو فدا ہونے کو موجود رہے
بس، مری فتح یہی ہے کہ وہ خوشنود رہے

کہہ کے یہ میان میں مولا نے رکھی تیغِ دودم ہاتھ اٹھا کر' یہ اشارہ کیا گھوڑے کو کہ تھم
رہ گیا سر کو ہلا کے' فرسِ تیز قدم چار جانب سے' مسافر پہ جھکے اہلِ ستم
نیزے یوں گرد تھے' جیسے گلِ تر خاروں میں
گھر گئے سبطِ نبی' ظلم کی تلواروں میں

پہلے تیروں سے' کماں داروں نے چھاتی چھانی نیزے' پہلو پہ لگاتے تھے' ستم کے بانی
سر پہ تلواریں چلیں' زخمی ہوئی پیشانی خوں سے تر ہو گیا؛ حضرت کا رخِ نورانی
جسم سب چور تھا' پرزے تھے زرہ جامے کے
پیچ کٹ کٹ کے کھلے جاتے تھے عمامے کے

برچھیاں مارتے تھے' گھات پہ جو تھے پہرے کس طرف جائے' کہاں تیغوں میں بے کس ٹھہرے
اک ہزار اور کئی سو' زخم تھے تن پر گہرے دیکھنے والوں کے ہو جاتے تھے پانی زہرے
خوں میں ڈوبا ہوا' وہ مصحفِ رخ سارا تھا
جزو و ہر اک' تنِ شبیر کا سی پارا تھا

ہاتھ سے باگ جدا تھی' تو رکابوں سے قدم غش میں سیدھے کبھی ہوتے تھے فرس پر' کبھی خم
بہتے تھے پہلوؤں سے خوں کے دریڑے پیہم کوئی بے کس کا مددگار نہ تھا' ہائے ستم
مارے تلواروں کے' مہلت نہ تھی دم لینے کی
کوششیں ہوتی تھیں' کعبے کے گرا دینے کی

دشت سے آتی تھی زہرا کی صدا' ہائے حسین! مرے بے کس' مرے بے بس' مرے دکھ پائے حسین!
در سے چلاتی تھی زینب مرے ماں جائے حسین! کون تیغوں سے بچا کر تجھے لے آئے حسین!
فاطمہ رو رہی ہیں' ہاتھوں سے پہلو تھامے
حکم گر ہو' تو بہن دوڑ کے بازو' تھامے

ہائے! سید ترا تن اور ستم کے بھالے کس کو چلاؤں کہ جیتے نہیں مرنے والے
اس پہ یہ ظلم' دکھوں سے جسے زہرا پالے کون سر سے ترے' تلواروں کی آفت ٹالے؟
کون فریاد سنے' بے سرو سامانوں کی؟
یاں تو بستی بھی نہیں' کوئی مسلمانوں کی

نہ رہا' جب کہ ٹھہرنے کا فرس پر یارا گر پڑا خاک پہ' وہ عرشِ خدا کا تارا
غش سے کچھ دیر میں اٹھا جو علی کا پیارا نیزہ سینے پہ' سنان ابنِ انس نے مارا
واں تو نیزے کی انی' پشت سے باہر نکلی
یاں بہن' خیمے کی ڈیوڑھی سے کھلے سر نکلی

کھینچ کر سینے سے نیزہ' جو بڑھا دشمنِ دیں جھک کے حضرت نے رکھی' خاک پہ سجدے میں زمیں
تیز کرتا ہوا خنجر کو' بڑھا شمرِ لعیں آسماں ہل گئے' تھرا گئی مقتل کی زمیں
کیا کہوں' تیغ کو کس طرح گلے پر رکھا
پاؤں قرآں پہ رکھا' حلق پہ خنجر رکھا

ڈھانپ کر ہاتھوں سے منہ' بنت علی چلائی — ذبح ہوتے ہو مرے سامنے' ہے ہے بھائی
ضرب اول تھی کہ تکبیر کی آواز آئی — گر پڑی خاک پہ غش کھا کے علی کی جائی
اٹھ کے دوڑی تھی' کہ ہنگامۂ محشر دیکھا
منہ جو کھولا' تو سرِ شہ کو سناں پر دیکھا

رو کے چلائی کہ ہے ہے مرے مظلوم حسین! — فوج اعدا میں ترے قتل کی ہے دھوم حسین!
کچھ مجھے آنکھوں سے ہوتا نہیں معلوم حسین! — ہائے میں رہ گئی دیدار سے محروم حسین!
مڑ کے دیکھو' کہ مصیبت میں پڑی ہوں بھائی
ننگے سر' بلوۂ اعدا میں کھڑی ہوں بھائی

بس انیس آگے نہ لکھ زینب ناشاد کے بین — قتل ہوجانے پہ بھی' دھوپ میں تھی لاش حسین
قبر میں بھی نہ ملا' احمد مختار کو چین — گھر جلا' قید ہوئی' آلِ رسول الثقلین
کتنے گھر شاہ کے مرجانے سے برباد ہوئے
لٹ گئے یوں کہ نہ سادات پھر آباد ہوئے

10.7 مرثیے کا تجزیہ

شامل نصاب مرثیہ امام حسینؑ کی شہادت کے بیان میں ہے۔ جس میں 101 بند ہیں اور اس کا مطلع ہے ''نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت مری''۔ مسعود حسین رضوی کا بیان ہے کہ یہ مرثیہ میر انیس نے اپنے صاحبزادے میر عسکری رئیس کو لکھ کر دیا تھا لیکن یہ راز کھل جانے پر انہوں نے کچھ مصرعوں میں ترمیم کر کے اپنے حسب حال بنالیا۔

مرثیے کے پہلے تمہید یا چہرہ پر انیس بہت دھیان دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک کامیابی کا پہلا زینہ تمہید ہے' تا کہ مجمع ان کی طرف متوجہ اور ہمہ تن گوش ہو اور مجلس جاگ جائے اس لیے چہرہ اور تمہید ان کے مراثی میں تنوع کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں اور انیس اپنے تخیل' زورِ بیاں اور زبان کا سارا ہنر صرف کر دیتے ہیں۔ پیش نظر مرثیے کا چہرہ تعلی پر مبنی ہے' جس میں شاعرانہ تعلی کے سات بند ہیں۔ جن میں اپنے کلام کی تعریف' زورِ بیان پر فخر' اپنے آبا واجداد کے کارناموں کا فخریہ تذکرہ' اپنے باپ بھائی وغیرہ کے کلام کی تعریف ہے۔ یہ مرثیہ انیس کے اچھے مراثی میں شمار ہوتا ہے۔ پہلا بند رعایت لفظی کی اچھی مثال ہے۔

نمک خوانِ تکلف ہے فصاحت میری — ناطقے بند ہیں سن سن کے بلاغت میری
رنگ اڑتے ہیں وہ رنگیں ہے عبارت میری — شور جس کا ہے وہ دریا ہے طبیعت میری
عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

تمہید کے بعد چھ بند دعائیہ ہیں جن میں اللہ سے مرثیہ گوئی کی توفیق و تائید کی دعا مانگی گئی ہے۔ اس حصے کے کئی بند زبان زد خاص و عام ہیں مثلاً

وہ مرقع ہو کہ دیکھیں اسے گر اہل شعور — ہر ورق میں کہیں سایہ نظر آئے کہیں نور
قلم فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ — شمع تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ

ہے کجی عیب مگر حسن ہے ابرو کے لیے　　　تیرگی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لیے

شاعرانہ زبان کے باوجود اس حصے میں سادگی اور حسن ہے۔

چودھویں بند سے اصل مرثیہ شروع ہوتا ہے جس میں کربلا کے جاں نثاروں کا سراپا' فجر کی نماز کے موقع پر نظم ہوا ہے جس میں اعزا اور گود کے پالے بچوں کے علاوہ ان' اقربا اور انصار کا ذکر ہے جو رسول کے نواسے کا گھر آباد رکھنے کے لیے اپنا گھر لٹانے آئے تھے۔

یوں لٹیں ہم کہ نہ آل نہ اولاد رہے　　　مگر احمد کے نواسے کا گھر آباد رہے

دوسری طرف رفقائے امام حسین دعا مانگتے ہیں:

لاشیں مقتل میں ہوں' لاش شہہ دلگیر کے ساتھ　　　سر ہو نیزوں پہ سرِ حضرتِ شبیرؑ کے ساتھ

دشمن کی للکار پر امامِ حسین متبسم ہوتے ہیں:

ہنس کے منہ بھائی کا شاہ شہدا نے دیکھا　　　اپنے آقا کو بہ حسرت رفقا نے دیکھا

حضرت عباس غصّے سے فرماتے ہیں:

رو سیاہوں کو ہٹادیں کہ بڑھے آتے ہیں　　　ہم جو خاموش ہیں وہ منہ پہ چڑھے آتے ہیں

یہ شعر فصاحت کی بہت عمدہ مثال ہے۔

جنگ شروع ہوتی ہے' ایک کے بعد ایک سورما شہید ہوتا ہے۔ چند بندوں میں سارے اعزا و اقربا اور گود کے پالے بچے' صبح سے ظہر تک شہید ہوگئے۔ چونکہ مرثیہ امام حسین کی شہادت کے بیان میں ہے' اس لیے دوسرے ہیروؤں کی شہادت تفصیل سے نہیں پیش کی گئی ہے۔ امام حسین کو تنہا دیکھنے کے بعد دشمنوں نے انہیں جنگ کی دعوت دی۔

بڑھ کے چلاتے تھے بے درد کہ اب آپ آئیں　　　جو ہر تیغ شہنشاہ نجف۔ دکھلائیں

امام حسین رخصت آخر کے لیے خیمے میں تشریف لائے اور بہنوں کو آواز دی کہ میری شہادت کا وقت آ گیا ہے۔ بہنیں حواس باختہ ننگے پاؤں' کھلے سر نکل آئیں' جوان کی بدحواسی اور بے چینی کی علامت ہے کیونکہ ہندوستانی تہذیب میں عورتوں کا سر کھولنا اور ننگے پاؤں پھرنا خلاف تہذیب ہے۔ رخصت کے سات بند ہیں جو درد و الم کا مرقع ہیں۔ امام حسین کو رخصت کرنے کے لیے اب صرف عورتیں خیمے میں رہ گئی تھیں۔ ایک بیمار بیٹا بے ہوش پڑا تھا جس کے لیے امام حسین خود فرماتے ہیں:

کہہ دو عابد سے کہ مرنے کو پدر جاتا ہے

بہنوں سے رخصت آخر لے کر اپنی معصوم بیٹی حضرت سکینہ سے رخصت ہوتے ہیں جو امام حسینؑ کو میدانِ جنگ میں جانے سے روکتی ہیں

آؤ! اچھے مرے بابا' میں تمہاری واری　　　دیکھو تم بن ہیں گلے تک میرے آنسو جاری

آج یہ کیا ہے کہ بھولے میری خاطر داری　　　ہاتھ پھیلا کے کہو' آ میری بیٹی پیاری

منہ چھپانے کی ہے کیا وجہ نہ شرماؤ تم
اب میں پانی بھی نہ مانگوں گی چلے آؤ تم

میدان جنگ میں آمد کا صرف ایک بند ہے۔ اس کے بعد رجز کے دو بند ہیں۔

تھا یہ نعرہ کہ محمدؐ کا نواسہ ہوں میں

مجھ کو پہچانو کہ خالق کا شناسا ہوں میں

ایک بند اتمام حجت کا ہے' جس کے جواب میں دشمنوں کی طرف سے تیروں کی بوچھار ہونے لگتی ہے۔ رزمیہ لکھنے پر انہیں خاص قدرت حاصل تھی اور ان کے گھر پر مختلف ہتھیار سجے ہوئے تھے جن کے استعمال' حملے اور دفاع کی باریکیوں سے وہ واقف تھے۔ تاریخیں بتاتی ہیں کہ امام حسین نے کربلا کی جنگ حضرت علی کی تلوار 'ذوالفقار' سے لڑی تھی۔ اس ساری جنگ میں تلوار ہی کی کاٹ' حملے اور دفاع کا ذکر ہے۔ سب سے زیادہ یعنی 18 بند جنگ کے بیان میں ہیں۔ جس سے معترضین کا یہ خیال باطل ہو جاتا ہے کہ مرثیے صرف رونے رلانے کے لیے لکھے جاتے تھے۔ رزمیہ کے بیان سے سامعین کے دل میں جوش' ہمت' ولولہ اور شجاعت کے جذبات پیدا کرتے تھے جو مرثیہ نگار کا ایک بڑا کارنامہ ہوتا تھا۔ زبان و بیان کے اعتبار سے یہ حصہ بے مثل ہے۔ یہاں تک کہ ہاتف کی آواز آتی ہے کہ جنت میں آپ کے استقبال کی تیاری ہے' زمین سے آسمان تک آپ کی آمد کا غلغلہ ہے۔ یہ آواز سن کر آپ نے گھوڑے کو روک لیا اور تلوار میان میں رکھ لی۔ دشمن اسی موقع کی تاک میں تھے۔ انہوں نے چاروں طرف سے امام حسین کو گھیر لیا اس کے بعد چار بندوں میں انیس نے امام حسین کی پُر درد شہادت کا منظر پیش کیا ہے۔

بین کے صرف چھ بند ہیں جو امام حسین کی والدہ حضرت فاطمہؓ اور بہن حضرت زینب کی زبانی ہیں۔ یہ وہی بہن ہیں جنہوں نے امام حسین کی شہادت کے بعد کوفہ و شام کا معرکہ اپنی پر اثر اور دردناک تقریروں سے سر کیا اور عوام کو یزید کے خلاف کھڑا کیا۔

10.8 ایک بند کی تشریح

ہے کجی عیب .... مقامے دارد

یہ بند انیس کے مشہور مرثیے

'نمک خوان تکلم ہے فصاحت میری'

سے اخذ ہے جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ مرثیہ انہوں نے اپنے بیٹے میر عسکری کو لکھ کر دیا تھا۔ بعد میں اپنے نام پر کر دیا۔ یہ بند تعلی کے بندوں سے متعلق ہے جس میں فصاحت کی خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ بند صنعت تضاد کی بہترین مثال ہے جس میں چار مصرعوں میں تضاد پیش کیا گیا ہے۔ فصاحت کے لیے وہ ایک ایک لفظ ہی نہیں ایک ایک نکتے کے صحیح استعمال کو فصاحت کا معیار بتاتے ہیں۔ مثلاً کجی کو ہر جگہ عیب سمجھا جاتا ہے' خواہ وہ انسانی فطرت ہو' عمارت کی بنیاد ہو' تحریر کی سطریں ہوں' یا کسی بھی حسن اور سلیقے کی بات ہو' کجی کو عیب ہی مانا جائے گا۔ لیکن یہی کجی ابرو کے لیے حسن کا کام کرتی ہے۔ اسی طرح سیاہی یا اندھیرے کو برا سمجھا جاتا ہے لیکن یہی سیاہی محبوب کی دراز زلفوں کے حسن میں اضافہ کرتی ہے۔ کاجل جسم کے کسی حصے میں لگایا جائے تو اس سے بدصورتی میں اضافہ ہوگا لیکن یہی کاجل اگر آنکھوں میں لگایا جائے تو محبوب کی آنکھوں کا حسن کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح جسم کے کسی بھی حصے پر تل ہونے سے وہ حسن نہیں پیدا ہوتا جیسا کہ محبوب کے چہرے کا تل اس کے رخسار کے حسن کو بڑھا دیتا ہے۔ یہ بند حقیقت نگاری کی بھی عمدہ مثال ہے۔ بیت فارسی میں ہے جس میں فصاحت کا معیار یہ پیش کیا گیا ہے کہ جس کا کلام فصاحت سے مملو ہے وہی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ ہر بات موقع و محل کی مناسبت سے بھلی لگتی ہے اگر ایک نقطے کو بھی ادھر ادھر کر دیا جائے تو لفظ بدل جانے سے معنی و مفہوم بدل جاتے ہیں۔ بیت کا یہ شعر اپنے آپ میں فصاحت کی مکمل تعریف ہے۔

10.9 خلاصہ

انیس جس زمانے میں مرثیے لکھ رہے تھے وہ اردو کی تاریخ میں کئی لحاظ سے اہم زمانہ تھا۔ اس وقت شمال میں اردو کے دو اہم مرکزوں لکھنؤ اور دہلی کا چرچا تھا۔ دہلی میں شاہ نصیر' ذوق' غالب اور مومن جیسے استاد داد سخن دے رہے تھے۔ لکھنؤ میں ناسخ' آتش اور ان کے شاگردوں کی غزل گوئی کے چرچے تھے۔ مثنوی قصیدے کی دھوم تھی۔ انیس نے اپنے ماحول میں مرثیے لکھ کر اردو شاعری کو تقدس کی آب و

تاب دی ۔ انیس کا دور 1803 تا 1872 پر محیط ہے اس عرصے میں انہوں نے غزل اور رباعیات بھی لکھیں لیکن انہیں دنیائے ادب میں باقی رکھنے والی صنف ان کی مرثیہ نگاری ہے ۔ انیس کے مرثیے ان کی فصاحت و بلاغت کے مظہر ہیں ۔ زبان ان کے گھر کی تھی ۔ سلاست میں خاندانی وراثت کے علاوہ انیس کی علمیت، شغف، مہارت اور خوش سلیقگی کا بڑا ہاتھ ہے ۔ سلاست و بلاغت کو زیب و زینت انہوں نے صنعتوں کے برمحل استعمال سے دی ہے ۔ ان کے مراثی میں مناظر و کیفیات کی تصویر کشی کے کئی مواقع آتے ہیں ۔ وہ بڑی مہارت سے ان کی مصوری کرتے چلے جاتے ہیں ۔ انہوں نے منظر نگاری، جذبات نگاری، کردار نگاری، مناظر رزم و بزم، مکالمہ نگاری، واقعہ نگاری اور سراپا نگاری میں کمال دکھایا ہے ۔ انیس کو فارسی، عربی زبان و ادب پر عبور حاصل تھا ۔ انہوں نے کئی علوم میں دستگاہ حاصل کی تھی ۔ مختلف علوم اور زبانوں پر تبحر کی وجہ سے ان کے اسلوب اور لسانی خصوصیات میں بڑی دلکشی محسوس ہوتی ہے ۔ ان کے مرثیوں میں روانی، سادگی اور سلاست ہے ۔ مرثیے انیس سے پہلے اور ان کے بعد بہت لکھے گئے لیکن انیس نے مرثیوں کو تنوع، تازگی اور نیا لب ولہجہ دیا ہے ۔

10.10 نمونہ امتحانی سوالات

ذیل کے سوالوں کے جواب تیس تیس سطروں میں دیجیے :

1. انیس کی مرثیہ نگاری کا جائزہ لیجیے ۔
2. مراثی انیس کے اسلوب کی خصوصیات تحریر کیجیے ۔

ذیل کے سوالوں کے جواب پندرہ پندرہ سطروں میں دیجیے :

1. انیس کے عہد کا جائزہ پیش کیجیے ۔
2. انیس کی حیات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
3. انیس کے مکالموں پر ایک نوٹ لکھیے ۔
4. انیس کے کلام سے منظر نگاری کے نمونے پیش کیجیے ۔
5. مندرجہ ذیل صنعتوں میں سے پانچ کی تعریف مع مثال تحریر کیجیے :

رعایت لفظی ...... لف ونشر ...... تنسیق الصفات ...... حسن تعلیل ...... مجاز مرسل ...... تضاد ...... تکرار ...... ایہام تناسب

10.11 فرہنگ

نمک خوان تکلم	=	گفتگو کے دستر خوان کا نمک یعنی وہ چیز جس سے کلام میں لطف اور مزہ پیدا ہو
تعقید	=	لفظ اپنے مقام سے دور جا پڑے جس سے مطلب کے سمجھنے میں مشکل ہو جائے ۔
جداعلیٰ	=	پرداد یا اس سے پہلے کی پشت کا کوئی بزرگ ۔ یہاں میر حسن اور میر ضاحک مراد ہیں
سجع	=	نثر میں ایسے دو فقرے لانا جس کے آخری لفظ ہم قافیہ ہوں
جرار	=	بہادر ۔ حضرت سلیمان، حضرت ابوذر، حضرت عمار، حضرت حمزہ،
چاؤش	=	وہ نقیب جو میدان جنگ میں سپاہیوں کے حوصلے بڑھاتے ہیں ۔

زینب = حضرت حسین کی چھوٹی بہن جن کا لقب ثانی زہرا بھی ہے

عابد = حضرت زین العابدین حضرت امام حسین کے صاحبزادے

جوشن = دو لوہے کی تختیاں جو جنگ میں سینے پر پہنی جاتی تھیں

صفین و حنین = وہ مقامات جہاں حضرت علی نے جہاد میں حصہ لیا تھا

پسر سعد = عمرو ابن سعد بن ابی وقاص، لشکر یزید کا سپہ سالار

جعفر = رسول اکرمؐ کے صحابی اور حضرت زینب کے خسر

شش جہت = مراد مشرق مغرب شمال جنوب، زمین و آسمان

قدر انداز = وہ شخص جس کا نشانہ کبھی خطا نہ کرے

نقش ارژنگ = مانی کی بنائی ہوئی تصویروں کا مرقع

تلوار تولنا = وار کرنے کے لیے تلوار سنبھالنا

سحر حلال = اچھی تقریر کا جادو جو جائز ہے

مانی = ایران کا ایک باکمال مصور

مغلق = جس کا سمجھنا مشکل ہو

اعدا = عدو کی جمع یعنی دشمن

رقت = دل بھر آنا

بسط = پھیلانا

میزاں = ترازو

مباہات = فخر

بنت علی = حضرت زینبؓ

مصاحب = ہم نشین، دوست

صفدر = صفوں کو چیرنے والا

علم دار = مراد حضرت عباس

صولت = دبدبہ

وغا = جنگ

تازی = عربی گھوڑے

زہرہ = پتہ

عرش جناب = امام حسینؑ

قائمہ عرش = عرش کا پایہ

دو پیکر = دو پہلو والی تلوار

مالک اشتر = سرکارؐ کے صحابی جو بہت بہادر تھے

بن انس = یزیدی فوج کا ایک سردار

حضرت حمزہ = رسول اکرمؐ کے چچا اور صحابی

بہزاد = ایران کا ایک مشہور مصور

اشک خالی = وہ آنسو جو بہہ نہ سکیں

کاواک = بے ڈول، بے ڈھنگی

ناطقہ = قوت گویائی

گنگ = گونگا

جودت = تیزی

جد و آبا = باپ دادا

ہمتا = مثل، مانند

سجادہ = جانماز

تخشع = خشوع عاجزی

شیر الٰہی = حضرت علیؑ

ضیا = روشنی

ناری = دوزخی

شوم = بد بخت، منحوس

الم = رنج

ہراسا = خوف زدہ

جلو = ہمراہ۔ ساتھ

پرکالے = ٹکڑے

مغفر	=	لوہے کی ٹوپی' خود	بکتر	=	زرہ
صدر	=	سینہ	جبال	=	جبل کی جمع' پہاڑ
مکلل	=	آراستہ	فرس	=	گھوڑا

10.12 سفارش کردہ کتابیں

1. موازنۂ انیس و دبیر = علامہ شبلی نعمانی
2. اردو مرثیے کا ارتقا = مسیح الزماں
3. روحِ انیس = مسعود حسین رضوی ادیب
4. انیس کی مرثیہ نگاری = اثر لکھنوی
5. مطالعۂ انیس = ناظر کاکوروی
6. انیس شخصیت اور فن = ڈاکٹر فضل امام
7. اردو مرثیہ = شارب ردولوی
8. انیس شناسی (مرتبہ) = پروفیسر گوپی چند نارنگ
9. رزم نامۂ انیس = مسعود حسن رضوی
10. حیات انیس = سید امجد علی اشہری